کتاب و سنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ

اشرف الجرائد

حیدرآباد

Volume:17 Issue:12 December 2024

مدیر

مولانا محمد عبد القوی

ادارہ اشرف العلوم ٹرسٹ حیدرآباد

www.iauth.in

اشرف الجرائد میں شامل تمام مضامین کی تمام جزئیات سے مدیر کا اتفاق ضروری نہیں

آئینۂ مضامین

اشرف الجرائد کی توسیع واشاعت میں حصہ لے کر اشاعتِ دین کا ثواب حاصل فرمائیں۔ ادارہ

درسِ قرآن



تحصیلِ علم کی اہمیت

از: مولانا محمد عبدالقادر فرید قاسمی*

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ (التوبۃ:۱۲۲)

ترجمہ: اور مسلمانوں کے لیے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ وہ (ہمیشہ) سب کے سب جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں؛ لہذا ایسا کیوں نہ ہو کہ ہر بڑی جماعت میں سے ایک گروہ (جہاد کے لیے) نکلا کرے؛ تاکہ (جو لوگ جہاد میں شریک نہ ہوئے ہوں) وہ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لیے خوب محنت کریں، اور جب ان کی قوم کے لوگ (جو جہاد میں گئے ہیں) ان کے پاس واپس آئیں، تو یہ ان کو متنبہ کرے؛ تاکہ وہ (گناہوں سے) بچ کر رہیں۔

توضیح: سورۂ توبہ کے ایک بڑے حصے میں ان لوگوں کی ملامت کی گئی تھی جو جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے، جس کی بنا پر صحابہؓ نے یہ ارادہ کرلیا کہ آئندہ جو بھی جہاد ہوگا، اس میں وہ سب جایا کریں گے، اس آیت نے واضح کردیا کہ ہمیشہ کے لیے یہ سوچنا صحیح نہیں ہے، غزوۂ تبوک میں تو ایک خاص ضرورت کی بنا پر تمام مسلمانوں کو نکلنے کا حکم دیا تھا؛ لیکن عام حالات میں مسلمانوں کو تقسیمِ کار پر عمل کرنا چاہیے۔ جب تک امیر کی طرف سے نفیرِ عام (ہر شخص کو جہاد میں شریک ہونے) کا حکم نہ ہو تو جہاد فرض کفایہ ہے، اگر بڑی جماعت میں سے کچھ لوگ جہاد کے لیے چلے جائیں تو سب کی طرف سے یہ فرضِ کفایہ ادا ہوجائے گا۔ تمام مسلمانوں کے لیے ہمیشہ جہاد میں نکلنا اس لیے مناسب نہیں ہے کہ: جس طرح جہاد، امت مسلمہ کی ایک ضرورت ہے اسی طرح دین کا علم حاصل کرنا بھی اُمت کی ایک اہم ضرورت ہے، اگر

* ذمہ دار ادارہ حسیب المدارس، گھٹکیسر، حیدرآباد

سب لوگ جہاد کے لیے نکل کھڑے ہوں تو علم دین کی درس وتدریس اور تعلیم وتعلم کا فریضہ کون انجام دے گا؟ لہٰذا صحیح طریقہ یہی ہے کہ کچھ لوگ جہاد میں شریک ہوں اور کچھ لوگ شہر میں رہ کر دینی علوم حاصل کریں، پھر جہاد میں شریک حضرات کے واپس آنے کے بعد یہ لوگ ان کو وہ احکام سکھلا دیں جو انھوں نے شہر میں رہ کر سیکھے ہیں مثلاً: فلاں کام فرض، فلاں کام واجب ہے، فلاں کام پر اجر وثواب اور فلاں کام پر عذاب اور سزا ہے۔

اس آیت کریمہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو کبھی بھی دینی تعلیم کے حصول کو ترک نہیں کرنا چاہیے خواہ ان کے ذمہ کتنے ہی کام ہوں۔ بے شمار احادیث مبارکہ میں بھی علم حاصل کرنے کی اہمیت اور اس کی ترغیب دی گئی ہے، چناں "سننِ ابن ماجہ" باب فضل العلماء و الحث علی طلب العلم" میں امام ابن ماجہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم " کہ: علم (دین) حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

واضح رہے کہ ہر طرح کا علم حاصل کرنا فرض نہیں ہے کہ؛ بل کہ جو چیزیں فرض ہیں ان کو بروئے کار لانے کے لیے ان کا علم حاصل کرنا اور جاننا فرض ہے۔ مثلاً: نماز فرض ہے تو اتنا علم حاصل کرنا کہ جس سے ذمہ ساقط ہو جائے فرض ہے، کسی کے اوپر زکوٰۃ فرض ہے تو زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ جاننا فرض ہے؛ چناں چہ تعلیم المتعلم ص: ۳ میں اسی طرح وضاحت کی گئی ہے۔ علم کی فضیلت اور اس کی اہمیت کا اندازہ مندرجۂ ذیل واقعے سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت عمر جیسے جلیل القدر اور ملہم صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور ایک انصاری پڑوسی نے تحصیل علم کے خاطر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے باری مقرر کر لی تھی کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت وہ جائیں گے اور ایک دن میں، وہ اپنی باری کے دن جو علم سیکھتے مجھے سنا دیتے، اور میں اپنی باری کے دن جو علم سیکھتا میں ان کو سنا دیتا، اس واقعے کو امام بخاری۔علیہ الرحمہ۔نے "باب التناؤب فی العلم " میں روایت کی ہے۔

اس واقعے سے تمام مسلمانوں کو سبق لینا چاہیے کہ جب حضرت عمرؓ جیسے ملہم صحابی بھی حصول علم کو ترک نہیں کر رہے ہیں تو ہمیں بھی ہمیشہ علم حاصل کرتے رہنا چاہیے اور کبھی بھی علم دین سے دوری اختیار نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ رب العزت ہمارے اندر حصول علم کا جذبہ اور شوق پیدا فرمائے۔ آمین



درسِ حدیث

رسول سے محبت خدا کی محبت کی وجہ سے کرنا چاہیے

از: حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم: "أَحِبُّوا اللهَ لِمَا يَغْذُوكُمْ مِنْ نِعَمِهِ، وَأَحِبُّونِي بِحُبِّ اللهِ، وَأَحِبُّوا أَهْلَ بَيْتِي لِحُبِّي" (رواہ الترمذی:۳۷۸۹)

ترجمہ: ''حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے اللہ سے محبت رکھو، اس لئے کہ وہ تمہیں طرح طرح کی نعمتیں عطا فرماتا ہے، اور مجھ سے محبت رکھو خدا کی محبت کی وجہ سے اور میرے اہل بیت سے محبت رکھو میری محبت کی وجہ سے۔

تشریح: اس حدیث میں خدا کی محبت کا سب سے آسان راستہ یہ بتلایا گیا ہے کہ پہلے تم ان نعمتوں کا مطالعہ کرو جو شب و روز بلا جد و جہد اور بلا کسی استحقاق کے تم کو میسر ہیں، خدا کی محبت پیدا ہوجائے گی، جب خدا کی محبت تمہارے دل میں پیدا ہوجائے گی تو رسول کی محبت کا پیدا ہونا لازم ہوگا، کیوں کہ اس کا رشتہ خدا سے یہی ہے کہ وہ تمہارے اور اس کے درمیان پیغام پہونچانے والا ہے، بادشاہوں کے درباروں میں نامہ بروں کی جتنی قدر و قیمت ہوتی ہے راہِ محبت میں اس سے کہیں زیادہ ہے، اس لئے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پیدا کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو بارگاہِ محبت کا پیغمبر سمجھو، جب دنیا کے ایلچیوں میں اخلاقِ فاضلہ و اوصافِ کاملہ ہونا ضروری ہیں تو خدا کے رسولوں میں کیوں ضروری نہ ہوں گے؟ پھر اس جہت سے بھی محبت پیدا ہوجائے گی، اسلام میں محبت کا اصل محور و مرکز صرف خدا کی ذات بتلائی گئی ہے؛ اور یہی اس کی امتیازی توحید ہے کہ انسان کے قلبی علائق کے گوشے صرف اسی ایک ذات پاک کے نام پر تقسیم ہوتے ہیں، اسی لئے اذان و اقامت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رسول اللہ کہہ کر پکارا گیا ہے کہ اللہ اکبر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و محبت قلب میں خود بخود جاگزیں ہوجائے اور اسی لئے قرآن کریم میں اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ ارشاد فرمایا یعنی اگر تم کو اللہ سے

محبت ہے تو میری اتباع کرو۔ گویا اصل محور ومرکز خدا ہی کی محبت ہے، اوراس کا صحیح معیار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت ہے اب جو شخص خدا کی محبت کا مدعی ہے مگر رسول کی عظمت ومحبت پوری طرح نہیں کرتا یا رسول کی محبت کا دم بھرتا ہے مگر خدا کی عظمت ومحبت سے خالی ہے وہ سراسر دھوکے میں ہے۔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت وعظمت اس کا احترام وادب اولین فریضہ ہے، اور یہ سب اس لئے ہے کہ وہ اس باعظمت ذات کا رسول ہے جس کی تمام کائنات مخلوق ہے۔ رسول کی صحیح عظمت یہ ہے۔

اپنے خود تراشیدہ خیالات پر رسول سے محبت کرنا صحیح محبت نہیں، عیسائی بھی حضرت مسیح علیہ السلام سے محبت کرتے ہیں مگر خدا کا رسول سمجھ کر نہیں بلکہ اس کا بیٹا بنا کر کیا تم اس کو صحیح محبت کہو گے؟ اور یہود ان سے بغض ودشمنی رکھتے ہیں مگر انہیں خدا کا دشمن سمجھ کر نہیں کیا تم اسے صحیح دشمنی کہو گے؟ پھر صحیح دوستی اور صحیح دشمنی وہ ہے جو محض اس ایک ذات پاک کے نام پر ہو اس کے سوا محبتیں اور دشمنیاں سب آئینِ اسلام سے باہر ہیں۔

اس تعلق کو ذرا اور وسعت دو تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد سامنے آتی ہے ان سے محبت اس لئے ضروری ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت ضروری ہے گویا ان سے محبت پیدا کرنے کے لئے رسول کی ذات سامنے رکھنا چاہیے تو ان کی محبت خود ہی پیدا ہو جائے گی جیسا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے لئے خدا کی ذات پیش نظر رکھنا چاہیئے اور اس طرح اگرچہ محبت کا دائرہ بہت پھیلتا چلا جائے گا مگر اصل مرکزی نقطہ پھر وہی ایک ذات پاک کی محبت رہے گی۔ اب اگر کوئی شخص رسول کی محبت کا دعویٰ دار ہے مگر اہل بیت کی محبت نہیں رکھتا یا اہل بیت کی محبت کا تو دم بھرتا ہے مگر خدا اور رسول کی محبت کے آثار اس میں نہیں پائے جاتے تو کیا تم اسے صحیح محبت والا کہہ سکتے ہو؟۔

رسول کا رشتہ جس طرح اہل بیت کے ساتھ ہے اسی طرح اس جماعت کے ساتھ بھی ہے جس میں اس نے اپنے شب وروز گذارے، جنہوں نے اس کے لئے جانیں قربان کردیں اور اس کی رفاقت میں تمام تعلقات ختم کردینے میں تامل نہ کیا، پس اگر کوئی شخص اس جاں نثار جماعت سے بغض رکھے تو کیا تم اسے رسول کی محبت کہو گے؟۔ اللہ تعالیٰ ہمیں غلو سے بچائے اور صحیح محبت کی توفیق بخشے۔

پیش گفتار

اصلاح معاشرہ اور ہماری ذمہ داریاں

از: حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم *

ہر مسلمان مرد وعورت کی ذمہ داری ہے کہ ایمان وعقیدہ کی درستگی کے ساتھ خود بھی نیک اعمال کا خوگر ہو، برائیوں سے پرہیز کرے اور دوسروں کو بھی صالح بنانے کی کوشش کرے، اچھائیوں کو پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے کی فکر اور جدوجہد کرے۔

اللہ جل شانہٗ نے قرآن پاک میں اس امت کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا: ’’كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ‘‘ (سورہ آل عمران: ۱۱۰) تم لوگ بہترین امت ہو جو لوگوں کو نفع رسانی کے لیے پیدا کی گئی ہے، تم اچھائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور خود بھی ایمان والے ہو۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’كُلُّكُمْ رَاعٍ وَ كُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ‘‘ (بخاری) تم سب ذمہ دار ہو اور تم سب سے اپنے ماتحتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

ان سب ارشادات سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنے ایمان اور عقیدہ کی درستگی کے ساتھ اپنے اعمال، اخلاق، عادات اور معاملات کو شریعت وسنت کے مطابق بنانے کی کوشش کرے؛ لیکن صرف اپنے ایمان اور اعمال کی فکر کافی نہیں بلکہ درجہ بدرجہ اپنے اہل خانہ، اہل وعیال، اہل محلہ، اہل شہر بلکہ تمام لوگوں کو نیکی کی راہ پر لانے کی فکر کرے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ ’’والعصر‘‘ میں زمانے کی قسم کھا کر فرمایا ہے کہ تمام انسان خسارے اور نقصان میں ہیں، سوائے ان کے جو ایمان والے ہوں، اچھے کام کریں، آپس میں ایک دوسرے کو صحیح بات کی تلقین کریں اور آپس میں ایک دوسرے کو صبر واستقامت کی تاکید کریں۔

---

* شیخ الحدیث ومہتمم دار العلوم دیوبند

ایمان کا ادنیٰ درجہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهٖ فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهٖ وَ ذٰلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ'' (مسلم شریف) یعنی تم میں سے جو شخص بھی کسی منکر (غلط کام) کو دیکھے اسے اپنے ہاتھ سے مٹائے، اگر اس کی طاقت نہ ہوتو اپنی زبان سے نکیر کرے، اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہوتو دل سے مٹائے یعنی دل میں برائی کو دیکھ کر کڑھن پیدا ہو اور اس برائی کو ختم کرنے کی فکر کرے، اور یہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ اس سے نیچے ایمان کا معمولی درجہ بھی نہیں ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ ذمہ داری بلا امتیاز ہر امتی کی ہے کہ اپنی آنکھیں کھلی رکھے۔ حالات کا جائزہ لے، اور اپنے اردگرد جہاں بھی کوئی عملی، اخلاقی برائی نظر آئے اس کو ختم کرنے کی پوری کوشش کرے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اسی عمل کو قرآن وسنت کی زبان میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے، اور جگہ جگہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید فرمائی گئی ہے اور اس عمل میں کوتاہی برتنے پر سخت وعیدیں آئی ہیں۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا: ''والَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَتَأْمُرُنَّ بالْمَعْرُوفِ، ولَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ، أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ، ثُمَّ تَدْعُونَهُ فَلا يُسْتَجابُ لَكُمْ'' (ترمذی) فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور بالضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ بہت جلد اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے تمہارے اوپر عذاب بھیجے گا پھر تم اس سے دعائیں مانگوگے اور تمہاری دعائیں قبول نہیں ہوں گی۔

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے: ''مَا مِنْ رَجُلٍ يَكُوْنُ فِي قومٍ يُعمَلُ فِيهِمْ بِالْمَعَاصِيْ يَقْدِرُوْنَ عَلىٰ أَنْ يُغَيِّرُوْا عَلَيْه ولا يُغَيِّروا إلّا أَصَابَهُمُ اللهُ بعقابٍ قبلَ أَنْ يَّمُوْتُوْا'' (ابوداؤد وابن ماجہ) فرمایا کہ جو شخص بھی ایسی قوم میں ہو جن میں گناہ کئے جارہے ہوں اور وہ اس کے مٹانے پر قادر ہو اور پھر بھی نہ مٹائے اس کو اللہ تعالیٰ ان کے مرنے سے پہلے عذاب میں مبتلا کردے گا۔

معاشرہ کی حالت زار

اس وقت عام طور پر مسلم معاشرہ کی جو صورت حال ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، سب سے اہم عبادت نماز سے غفلت عام ہے، نشہ بازی، جوا، سٹہ اور طرح طرح کی مخرب اخلاق اور تباہ کن عادتوں میں معاشرہ کا بڑا

طبقہ مبتلا ہے، شادی کے موقعہ پر فضول خرچی، تلک، جہیز اور لایعنی رسوم کی پابندی کی وجہ سے کتنے گھرانے تباہ ہو رہے ہیں، ملٹی میڈیا موبائل کے غلط استعمال سے نوجوان طبقہ بے حیائی اور فحاشی کا شکار ہو رہا ہے۔ گھروں میں ایک دوسرے کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو رہی ہے۔ یہ اور اس جیسی متعدد عملی اور اخلاقی خرابیوں میں معاشرہ تباہ ہو رہا ہے۔

دوسری طرف ان جیسی خرابیوں کے ازالہ کے لیے، امر بالمعروف، نہی عن المنکر یعنی اصلاح معاشرہ کے لیے جیسی مسلسل اور منظم جدوجہد کی ضرورت ہے اس میں بھی عام طور پر کوتاہی ہو رہی ہے جس کے نتیجہ میں امت میں عمومی بے چینی، پریشانی پھیلی ہوئی نظر آتی ہے۔

ہماری ذمہ داریاں

ان حالات میں تمام مسلمانوں اور خاص طور پر علماء کرام، ائمہ مساجد، متولیان مساجد، بستی اور برادری کے ذمہ دار افراد کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ معاشرہ کی اصلاح کے لیے خود محنت کریں اور اس سلسلہ میں کی جانے والی کوششوں کے ساتھ عملی اور فکری تعاون پیش کریں۔

یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ معاشرہ کی اصلاح اور رسم ورواج کو ختم کرنے کی محنت بہت قیمتی عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ کام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے لیا ہے۔ جب بھی دنیا میں بگاڑ پیدا ہوا اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی برگزیدہ بندہ کو نبوت سے سرفراز فرما کر قوم کی اصلاح کے لیے مبعوث فرمایا۔

داعی کے اوصاف

اب جبکہ اللہ کے آخری پیغمبر خاتم النّبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں آچکے اور آپ نے تبلیغ دین کا کام امت کے حوالہ فرما کر انھیں یہ ہدایت دی کہ جن لوگوں تک دین کی تعلیمات پہونچیں وہ دوسروں تک پہونچائیں، تو اب ختم نبوت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت امت کے علماء، مشائخ، مصلحین، ائمہ اور فکر مند افراد کو عطا فرمائی ہے۔ اس لیے جو حضرات بھی اس سلسلہ میں اپنی صلاحیت، محنت اور وقت صرف کریں یہ ان کے لیے موجب سعادت ہے۔ خوش دلی اور بشاشت کے ساتھ اس کام میں لگنا چاہیے۔ اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس راہ میں مخالفت اور طعن وتشنیع کا بھی سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورہ ''والعصر'' میں اس بات کی بھی تاکید فرمائی ہے کہ اپنے ایمان وعقیدہ کی درستگی اور اعمال صالحہ کے اہتمام کے ساتھ ایک دوسرے کو حق بات کی تلقین کریں نیز حق کی اشاعت کی راہ میں آنے والی دشواریوں اور مشکلات پر صبر کریں،

اور استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ساتھ ہی ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھنا ہے کہ جس خیر کی دعوت دی جائے خود اس پر عمل کی کوشش کی جائے۔اور جس منکر سے دوسروں کو روکا جائے خود بھی اس سے پرہیز کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان لوگوں پر نکیر فرمائی ہے جو دوسروں کو نیکی کا حکم دیں اور خود اس پر عمل پیرا نہ ہوں۔ارشاد خداوندی ہے:''اَتَأْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ''(البقرہ:۴۴) کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے کو بھلا دیتے ہو۔

حاصل یہ ہے کہ معاشرہ کا فساد اپنی انتہاء کو پہنچ چکا ہے جس کے نتیجہ میں امت بے چینی، پریشانی، ذلت ونکبت اور زبوں حالی میں مبتلا ہے اس لیے اس صورت حال کو بدلنے کے لیے ہر رخ سے محنت کرنا ضروری ہے، اور یہ محنت وقتی اور محدود نہیں ہونی چاہیے بلکہ پوری لگن ودلچسپی کے ساتھ جاری رہنی چاہیے۔

(بقیہ صفحہ:۲۱ سے)

ہمیں زکوٰۃ کے تعلق سے عمومی کوتاہی کے اس پہلو کو ضرور پیشِ نظر رکھ کر اپنی اصلاح کرنی چاہیے اور پوری ملت کا یہ مجموعی مزاج بننا چاہیے کہ ہر صاحبِ نصاب شریعت کے اصول کے مطابق مکمل حساب کے بعد زکوٰۃ کی رقم نکالے اور واقعی مستحقین تک اسے پہنچائے۔

حاصل یہ ہے کہ اجتماعی عذاب کا باعث بننے والی مذکورہ تینوں چیزوں (۱) سودخوری کی وبائے عام،(۲) بدکاری اور بے حیائی کا سیلاب بلاخیز، (۳) زکوٰۃ کے تعلق سے عمومی کوتاہی سے امت کا ہر فرد بہ صدق قلب تائب ہو اور مستقبل میں کبھی ان لعنتوں کے قریب نہ جانے کا پختہ عہد کرے، قرآنی بیان کے مطابق اللہ کی رحمت اور آفتوں سے حفاظت نیکوکاروں ہی کے قریب ہوتی ہے۔

گوشۂ سیرت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اہلِ طائف کا برتاؤ

از: مرتب*

امام ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ: (جب کفارِ مکہ کے مظالم حد سے بڑھ گئے، اسلام اور اہل اسلام کی حفاظت وصیانت کے لیے) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف قبائل عرب کے ہر بڑے مجمعے میں تشریف لے گئے، اور سردارانِ قوم سے گفتگو فرمائی اور اس سلسلے میں ان کے انکار یا سکوت کا بُرا نہ مانتے اور فرماتے **"میں تمہیں کسی چیز پر مجبور نہیں کرتا، تم میں سے جو کوئی میری لائی ہوئی دعوتِ توحید سے راضی ہو اُسے اختیار کر لے اور جو نا پسند کرتا ہو تو وہ میری طرف سے مجبور نہیں، میری صرف یہ چاہت ہے کہ تم ان لوگوں سے میری حفاظت کرو جو مجھے ہلاک کرنا چاہتے ہیں؛ تاکہ میں اپنے رب کے پیغامات (اس کے بندوں تک بہ آسانی) پہنچا سکوں، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ میرے اور میرے اصحاب کے لیے جو چاہے فیصلہ فرما دے۔"**

رؤسائے عرب میں سے کوئی آپ کی بات کو قبول نہیں کرتا، اور ہر قبیلے کی زبان پر یہی تھا کہ اس شخص کی قوم ہی اس کا حال زیادہ جانتی ہے، تمہارا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا وہ ہماری اصلاح کر پائے گا جب کہ اس نے اپنی قوم کو تباہ کر دیا ہے، اور قوم نے اسے رد کر دیا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پناہ دینے کی سعادت اللہ تعالیٰ نے انصار کے نصیب میں رکھی تھی چنانچہ ان کو اس کے ذریعے سے عزت بخشی۔

جب ابو طالب دنیا سے پردہ فرما گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پہلے سے زیادہ مصائب ٹوٹنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو ثقیف کے لوگوں سے پناہ کی امید میں طائف کا رختِ سفر باندھا، وہاں بنو ثقیف کے سردار تین بھائی تھے، عبد یالیل بن عمرو، حبیب بن عمرو، اور مسعود بن عمرو، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تینوں سے ملاقات کی اور اپنی قوم کے مظالم کی کربناک داستان سنائی، (سب سن کر) ان میں سے ایک نے کہا: کہ میں کعبے کی چوکھٹ کو چھوڑ دوں گا اگر اللہ نے تمہیں کوئی دین دے کر بھیجا ہے۔ دوسرے نے کہا: کیا اللہ تمہارے علاوہ دوسرے کو پیغمبر بنا کر بھیجنے سے عاجز ہے؟ تیسرے نے کہا: خدا کی قسم میں آج کی مجلس کے بعد تم سے کبھی بات نہیں کروں گا، اس لیے کہ اگر تم واقعی اللہ کے رسول ہو تو تم بڑے شرف والے اور زیادہ حق رکھنے والے ہو، اس لیے تم سے

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

بات نہیں کرنا چاہیے اور اگر تم اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہو، تو تم بدترین آدمی ہو، میں تم سے کیا بات کروں؟ یعنی تم بات کرنے کے قابل نہیں ہو، لوگوں نے آپ کا خوب مذاق اُڑایا اور اپنی قوم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دیے گئے جواب کی تشہیر کردی، لوگ راستے کے دونوں جانب صف بنا کر بیٹھ گئے، جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ان کے سامنے سے گزرتے ہر قدم پر پتھر برساتے، یہاں تک کہ انہوں نے آپ کے قدمین کو خون آلود کر دیا، اسی حال میں آپ ان سے نجات پا کر ایک باغ میں تشریف لے گئے اور انگور کی بیل کے سائے میں بیٹھ گئے آپ نہایت غمگین درد والم میں مبتلا تھے، آپ کے قدمہائے مبارک سے لہو جاری تھا، باغ عقبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کا تھا، جنہیں دیکھ کر آپ کو بڑی ناگواری ہوئی کیوں کہ وہ دونوں اللہ اور اس کے رسول کے دشمن تھے؛ مگر انہوں نے آپ کا یہ حال دیکھا تو رحم آیا اور اپنی نصرانی غلام عداس کو انگور دے کر آپ کی خدمت میں بھیجا۔

جب عداس آپ علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تم کسی علاقے کے رہنے والے ہو؟ عداس نے جواب دیا: میں نے نینوا کا ہوں آپ نے فرمایا: اللہ کے نیک بندے یونس بن متیٰ کے شہر سے ہو؟ اس نے پوچھا: آپ کو یونس بن متی کے بارے میں کیسے معلوم؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا وہ اپنے رب کا پیغام بندوں کو پہنچانے میں کسی کو کم تر نہیں سمجھتے تھے میں بھی اللہ کا رسول ہوں اللہ تعالیٰ نے یونس بن متیٰ کے بارے میں مجھے بتایا، جب اس نے حضرت یونس بن متی کے بارے میں یہ بات سنی فوراً سجدے میں گر پڑا اور آپ علیہ الصلوۃ والسلام کے قدمین کو بوسہ دیا، جب کہ آپ کے قدمہائے مبارک خون سے لہولہان تھے۔

عتبہ وشیبہ اپنے غلام کی ان حرکتوں کو کھڑے چپ چاپ دیکھتے رہے، جب وہ ان کے پاس آیا تو پوچھا کہ تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کو سجدہ کیوں کیا؟ ان کی قدم بوسی کیوں کی؟ ہم نے تجھے کسی اور کے ساتھ ایسا کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا، عداس نے جواب دیا: وہ نیک آدمی ہیں، انہوں نے مجھے ایسی بات بتائی جو میں اپنے اس رسول کے بارے میں جانتا ہوں جس کو خود اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس پیغمبر بنا کر بھیجا، جو یونس بن متیٰ کے نام سے معروف ہیں، وہ دونوں اس کی بات سے ہنس پڑے، اور کہا کہ کہیں وہ تمہیں تمہاری نصرانیت سے ہٹا نہ ڈالے اس لیے کہ وہ دھوکے باز آدمی پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وہاں سے مکہ واپس تشریف لے آئے۔

ایک روایت میں ہے کہ ام المومنین صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا کہ آپ کی حیات میں اُحد سے بھی زیادہ کوئی سخت دن آیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تمہاری قوم کی طرف سے سب سے سخت دن (طائف کی) گھاٹی والا دن تھا، پھر آپ نے اُن کے سلوک کی مزید تفصیل بیان فرمائی۔ (دلائل النبوۃ: ۲/۳۰۶، ۳۰۷)

اصلاحی مضامین

امت میں رائج مہلک منکرات ایک جائزہ

از: مولانا محمد اسجد قاسمی ندوی*

اس وقت پوری دنیا میں مادیت اور شہوانیت کا جو سیلاب آیا ہوا ہے، اس نے تمام اخلاقی قدریں تہ وبالا کرڈالی ہیں، معاشرتی نظام بے حیائی، بدکاری اور عریانیت کا مرکب بن چکا ہے، اخلاقیات کے نظام کو بے کرداری اور نفع پرستی کے مزاج نے زیروزبر کردیا ہے، معاملات کو سود اور حرام کی زنجیروں نے کچھ اس طرح چوطرفہ جکڑ رکھا ہے کہ امانت ودیانت، صداقت وراستی اور خیرخواہی کے اوصاف آخری سانس لے رہے ہیں۔

انحراف اور بگاڑ کا یہ سیلاب پورے عالم میں آیا ہوا ہے اور مشرق ومغرب، عرب وعجم، شہر ودیہات، کوئی خطہ اس سے محفوظ نہیں ہے۔ احادیث کی صراحتوں سے واضح ہوتا ہے کہ کسی بھی خطے یا معاشرے پر اللہ کی طرف سے اجتماعی قہر وعذاب کا نزول تین گناہوں کے رواج عام کے نتیجے میں ہوتا ہے: (۱) سودخوری (۲) زنا اور بدکاری (۳) زکوٰۃ کی ادائیگی میں مجرمانہ کوتاہی۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے: جب کسی قوم میں سود اور زنا عام ہوجائیں تو وہ اپنے کو اللہ کے عذاب کا مستحق بنالیتی ہے۔ (المستدرک: ۲/۷۳)

آج یہی صورتِ حال ہمارے سامنے ہے، سودی لین دین اور بدکاری کے فروغ نے وہ شکلیں اختیار کرلی ہیں کہ ان کا تصور بھی لرزہ طاری کردیتا ہے، اسی طرح زکوٰۃ کے تعلق سے مجرمانہ غفلت اور کوتاہی کی عام فضا بنی ہوئی ہے، ہماری انھیں بداعمالیوں کا خمیازہ قدرتی آفات کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

سودخوری کی وباعام

احادیث کی صراحت کے مطابق کسی قوم، خطے اور معاشرے پر اجتماعی آفت وعذاب کے آنے کا ایک بنیادی سبب سودی کاروبار اور سودی لین دین کا عام چلن ہے۔

شریعت نے حرام کاموں اور گناہوں کی جو تفصیل بتائی ہے، اس میں سود کا گناہ سرِفہرست ہے، قرآن وحدیث میں سود کی شناعت وقباحت کے تعلق سے ایسے ایسے الفاظ بیان ہوئے ہیں جو لرزہ طاری کردیتے ہیں۔

* شیخ الحدیث جامعہ عربیہ امدادیہ، مرادآباد

سورۃ البقرہ میں سود کی حرمت اور اس سے اجتناب کے حکم کے بعد ارشاد فرمایا گیا: فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِه (البقرہ/۲۷۹) ترجمہ: اگر تم سود کا کاروبار نہیں چھوڑو گے تو تم اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔

غور کیا جائے تو واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید نے شرک کے بعد بڑے سے بڑے گناہ کے بارے میں بھی اتنے سخت الفاظ اور اتنا سخت لب ولہجہ استعمال نہیں کیا، جتنا سخت لب ولہجہ لفظ سود کے بارے میں استعمال کیا ہے، "اعلانِ جنگ" کے الفاظ انتہائی سخت وعید اور بدترین شناعت کے اظہار کے لیے ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ ایک شخص امام مالک بن انس کی خدمت میں آیا اور عرض کیا: میں نے شراب کا ایک ایسا رسیا اور نشہ میں چور شخص دیکھا جو چاند کو پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا، اس پر میں نے کہا: اگر انسان کے پیٹ میں شراب سے بھی بدتر کوئی چیز اترنے والی ہو تو میری بیوی کو طلاق، آپ نے فرمایا: ابھی لوٹ جاؤ کہ میں تمہارے مسئلہ میں غور کرلوں، وہ دوسرے دن آیا تو بھی فرمایا: ابھی لوٹ جاؤ کہ میں تمہارے مسئلہ میں غور کرلوں، وہ تیسرے دن آیا تو فرمایا: تمہاری بیوی کو طلاق پڑ گئی، اس لیے کہ میں نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں انتہائی غور وتدبر کیا؛ مگر سود سے بدتر کوئی چیز نظر نہ آئی؛ اس لیے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن: ۳/ ۳۶۴)

سود کی بے برکتی اور نحوست کے وبال کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا: يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ (البقرہ/۲۷۶) ترجمہ: اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔

سود اور صدقہ کی حقیقت، نتائج، اغراض اور کیفیات سب متضاد ہوتے ہیں، صدقہ میں اپنا مال بلا معاوضہ دوسرے کو دیا جاتا ہے اور سود میں دوسرے کا مال بلا مالی معاوضہ کے لیا جاتا ہے، صدقہ کی غرض رضائے الٰہی اور ثواب آخرت ہوتی ہے؛ جب کہ سود کی غرض اللہ کے غضب سے نڈر ہو کر اپنی موجودہ دولت میں ناجائز اضافے کی ہوس ہوتی ہے، نتیجہ کا فرق قرآن کی اسی آیت نے بتادیا کہ اللہ سود سے حاصل ہونے والے مال کی برکت و خیر مٹادیتے ہیں؛ جب کہ صدقہ کرنے والے کے مال کو اور اس کی برکت کو بڑھادیتے ہیں، کیفیات کا فرق یہ ہوتا ہے کہ صدقہ دینے والے کو متنوع اعمال خیر کی توفیق عطا ہوتی ہے اور سود خور بالعموم محرومی میں مبتلا کردیا جاتا ہے۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا: اَلرِّبَا وَاِنْ كَثُرَ فَاِنَّ عَاقِبَتَه تَصِيْرُ اِلٰى قُلٍّ (ابن ماجہ/ ۱۶۵، المستدرک: ۲/ ۳۷)

ترجمہ: سود کا مال اگرچہ بڑھ جائے؛ مگر اس کا انجام ہمیشہ بے برکتی اور کمی کی شکل میں سامنے آتا ہے۔

سود خور کے مال میں سود کی وجہ سے بہ ظاہر کتنا ہی اضافہ کیوں نہ نظر آتا ہو لیکن:

(۱) سودخور کے مال میں برکت نہیں ہوتی۔(۲) ایسے مال میں عام طور سے آفتیں لاحق ہوتی ہیں، ناجائز مصارف میں خرچ ہوجاتا ہے یا کسی ناگہانی آفت وحادثے کی نذر ہوجاتا ہے۔(۳) سودخور مال کے اصل فوائد یعنی عزت وراحت سے محروم رہتا ہے، اسے اسبابِ راحت چاہے جس قدر حاصل ہوجائیں، حقیقی راحت و اطمینان اورسکون کی کیفیات حاصل نہیں ہوتیں، پھراس کی طبیعت میں سودخوری کی وجہ سے شقاوت، تنگ دلی، بزدلی، مجنونانہ حرص وہوس اوردناءت اور بے رحمی کے جراثیم جڑ پکڑ لیتے ہیں، جس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ دوسروں کے دلوں میں اس کی کوئی قدرومنزلت اورعزت ومقام باقی نہیں رہ جاتا۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے: يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَّاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (آل عمران/ ۱۳۰) ترجمہ: اے ایمان والو! کئی گنا بڑھا چڑھا کر سود مت کھاؤ اوراللہ سے ڈرو تا کہ تمہیں فلاح حاصل ہو۔اس آیت میں زمانۂ جاہلیت میں مروج سود کی ایک خاص صورت کا ذکر بہ طورمثال ہے، ورنہ سود کی حرمت کا حکم عام ہے، وہ کئی گنا بڑھا چڑھا کر ہو یا نہ ہو۔

سود کی حرمت وشناعت کے تعلق سے احادیثِ نبویہ میں بہت مواد موجود ہے، بخاری ومسلم کی ایک روایت میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت کوسات ہلاک و برباد کرنے والی چیزوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے اوران سات چیزوں میں شرک، جادو، قتل ناحق، میدان جنگ سے فرار ہونا، تہمت طرازی، یتیم کا مال ناحق کھانے کے ساتھ سودخوری کا ذکر صریح الفاظ میں آیا ہے۔(بخاری: ۱/ ۳۸۸)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں: لَعَنَ رسولُ الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَه وَكَاتِبَه وَشَاهِدَيْهِ، وَقَالَ: هُمْ سَوَاءٌ (مسلم: ۲/ ۲۷) ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سود کی تحریر لکھنے والے، اورسود پر گواہ بننے والے پر لعنت فرمائی ہے اورفرمایا: یہ سب گناہ میں برابر ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ چار شخص ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کرلیا ہے کہ ان کو جنت میں داخل نہیں کریں گے اورنہ ان کو جنت کی نعمتوں کا ذائقہ چکھائیں گے: (۱) عادی شرابی (۲) سود کھانے والا (۳) ناحق یتیم کا مال اڑانے والا (۴) ماں باپ کی نافرمانی کرنے والا۔

(المستدرک ۲/ ۳۷)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی حدیث نبوی میں سخت وعید آئی ہے: الربا ثلاث وسبعون بابا، أيسرها مثل أن ينكح الرجل أمّه (المستدرک: ۲/ ۳۷) سود کے وبال تہتر قسم کے ہیں، ان خرابیوں میں سے ادنیٰ اورکمتر قسم ایسی ہے، جیسے کوئی شخص (معاذ اللہ) اپنی ماں کے ساتھ منہ کالا کرے۔

حضرت عبداللہ بن سلامؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: **الدرهم يصيبه الرجل من الربا أعظم عند الله من ثلاثة وثلاثين زنية يزنيها في الاسلام** (أيضًا) ایک درہم کوئی سود سے حاصل کرے، اللہ کے نزدیک مسلمان ہونے کے باوجود ۳۳ بار زنا کرنے سے بھی زیادہ شدید جرم ہے۔

دوسری روایت میں وارد ہوا: **الربا اثنان وسبعون حوبا، اصغرها حوبا كمن أتىٰ امه في الاسلام، ودرهم من الربا أشد من بضع وثلاثين زنية** (شعب الایمان للبیہقی: ۴/ ۳۹۲) سود کے بہتر گناہ ہیں، ان میں سب سے چھوٹا گناہ اس شخص کے گناہ کے برابر ہے، جو مسلمان ہوکر اپنی ماں سے زنا کرے اور ایک درہم سود کا گناہ کچھ اوپر ۳۰ زنا سے زیادہ بدتر ہے۔

حضرت حنظلہؓ (شہیدِ اسلام، جن کو فرشتوں نے غسل دیا تھا) کے صاحبزادے حضرت عبداللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیان کرتے ہیں: درهم ربا يأكله الرجل وهو يعلم أشد من ستة وثلاثين زنية (مسند احمد: ۵/ ۶۹، مجمع الزوائد: ۴/ ۱۱۷) سود کا ایک درہم جسے کوئی جانتے ہوئے استعمال کرلے ۳۶ مرتبہ زنا کرنے سے بھی زیادہ شدید جرم ہے۔

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شبِ معراج میں جب ہم ساتویں آسمان پر پہونچے تو میں نے اوپر کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا تو اچانک گرج، بجلی اور کڑک محسوس کی، پھر ایک ایسی قوم پر میرا گزر ہوا جن کے پیٹ بڑے بڑے مکانوں جیسے تھے، جن میں سانپ بھرے ہوئے تھے، جو باہر صاف طور سے نظر آرہے تھے، میں نے جبرئیل سے پوچھا: یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے بتایا: یہ سودخور لوگ ہیں۔ (ابن ماجہ: ۱۶۴، مسند احمد: ۲/ ۲۵۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: ما ظاهر في قوم الزنا والربا الا أحلوا بأنفسهم عذاب الله (مجمع الزوائد: ۴/ ۱۱۸) جس قوم میں زنا اور سود پھیل گیا انھوں نے یقینا اللہ کا عذاب اپنے اوپر اتارلیا۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں: جب اللہ کسی قوم کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں تو ان میں سود پھیل جاتا ہے۔ (مسند الفردوس الدیلمی: ۲/ ۲۱۳)

حضرت ابوہریرہؓ سے منقول ایک حدیث میں انتہائی چشم کشا حقیقت کا بیان ہے: **ليأتين على الناس زمان لا يبقىٰ منهم أحد الا آكل الربا، فمن لم يأكل أصابه من غباره** (ابن ماجہ) ایک زمانہ ضرور ایسا آئے گا کہ کوئی بھی سود سے نہ بچ سکے گا اور کوئی شخص سودخوری سے بچ بھی گیا تو بھی سود کے دھویں اور غبار سے نہیں بچ سکے گا۔

مذکورہ احادیث اور بہ طور خاص اس حدیث کے تناظر میں ہم اگر موجودہ صورتِ حال کا تجزیہ کریں تو واضح ہوتا ہے کہ محتاط اندازے کے مطابق اٹھانوے فیصد افراد سود کی لعنت میں گرفتار ہیں، پورا تجارتی نظام سود پر منحصر ہو چکا ہے، دو فی صد باتوفیق بندے ایسے ہیں جو سود خوری سے بچے ہوئے ہیں؛ لیکن سودی نظام کی زنجیر نے عالمی معیشت وتجارت کو اس طرح جکڑ رکھا ہے اور سماج میں سود اس طرح سرایت کر گیا ہے کہ ان باتوفیق اور حلال کاروبار کرنے والوں کا حلال مال بھی پورے طور پر سود کے دھویں اور غبار سے محفوظ اور بچا ہوا نہیں رہ جاتا۔

اب جب کہ دنیا سودی لعنت میں جکڑے ہوئے تجارتی ومعاشی نظام کا تجربہ کر چکی ہے اور اس کے اخلاقی، روحانی، تمدنی، اجتماعی اور معاشرتی نقصانات کا سامنا بھی کر چکی ہے اور اس کے نتیجہ میں بار بار مختلف شکلوں میں آنے والے قہرِ الٰہی سے بھی دوچار ہو چکی ہے، دنیا کے لیے سود سے بالکل پاک اسلامی نظام معیشت (جو تمام انسانی طبقات کے لیے سراپا رحمت وخیر ہی ہے) کو اپنانے کے سوا کوئی اور متبادل اور چارۂ کار باقی نہیں بچا ہے۔

سود کی مناسبت سے آپ ﷺ کا یہ ارشاد بھی پوری ملت کے لیے انتہائی فکر انگیز ہے: **ان من أربیٰ الربوا الاستطالة فی عرض المسلم بغیر حق** (أبوداوٗد: کتاب الادب) سب سے بڑا سود یہ بھی ہے کہ کوئی کسی مسلمان کی آبرو پر ناحق دست درازی کرے۔ مزید ارشاد ہوا: **ان أربیٰ الربا عرض الرجل المسلم** (المستدرک: ۲/۷/۳) بلاشبہ بدترین سود کسی مسلمان کی آبرو ریزی ہے۔

واضح ہو کہ کسی مسلمان کی عزت وآبرو سے کھلواڑ، بے جا تہمت طرازی، ناحق دست درازی اسی سود کا ایک حصہ ہے جس کو ماں کے ساتھ زنا سے بدتر اور خدا کے غضب وعذاب کا موجب بتایا گیا ہے۔

بے حیائی کا سیلابِ بلاخیز

بے حیائی، بے پردگی اور بدکاری کی لعنت اللہ کے قہر وعذاب کو دعوت دیتی ہے، شریعت نے حیا اور پردے کا انتہائی معقول نظام انسانیت کو دیا ہے اور ہر وہ سوراخ بند کر دیا ہے، جہاں سے بے حیائی کے جرثومے ابھر کر آ سکتے ہوں، قرآن نے زنا کو صاف الفاظ میں بے حیائی کا عمل، ناپسندیدہ اور برا چلن بتا کر اس کے قبح شرعی، قبح عقلی اور قبح عرفی کا ذکر کیا ہے (النساء/ ۲۲) اور اسے بے حیائی کا کام اور بری راہ قرار دے کر اس کے قریب تک جانے سے منع کر دیا ہے (الاسراء/ ۳۲) اس طرح بے حیائی، بے پردگی اور فحاشی کے تمام قولی، فعلی، تقریری وتحریری، لباسی وتصویری مظاہروں پر کڑی بندش عائد کر دی ہے۔

اس وقت پوری دنیا میں فحاشی کا جو سیلاب بلاخیز آیا اور چھایا ہوا ہے، وہ قربِ قیامت کی علامت ہے جس کی پیش گوئی احادیث میں جا بجا فرمائی گئی ہے، ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ایسی عورتیں کثرت سے ہوں گی

جو بہ ظاہر لباس میں ہوں گی؛ مگر لباس اتنا باریک ہوگا اور اس سے جسمانی خدوخال اس درجہ نمایاں ہوں گے کہ درحقیقت وہ برہنہ ہوں گی، وہ خود مردوں کی طرف مائل ہوں گی اور مردوں کو اپنی طرف مائل کریں گی، ایسی عورتیں جنت کی خوشبو سے بھی محروم کردی جائیں گی۔(مسلم/۳۹۴۱)

بے حیائی کے اس طوفان کے تین اسباب بالکل نمایاں ہیں:

(۱) نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی میں بے انتہا تاخیر (اس کے اسباب کچھ بھی ہوں)۔(۲) مخلوط نظامِ تعلیم و معاشرت۔(۳) موبائل اور ٹی وی اور نیٹ کے ذریعہ فحاشی کا فروغ

زنا اور عریانیت میں مبتلا سماج پر احادیث کے مطابق عذابِ الٰہی اور امراض و آفات کا نزول ہوکر رہتا ہے، ان آفات سے حفاظت کی تدبیر صرف یہ ہے کہ ملت کا ہر فرد خود بھی عفت مآب بنے اور اپنے گھر، خاندان اور سماج کو بے حیائی اور بے حجابی کی لعنت سے پاک کرنے کی مہم میں لگ جائے۔

زکوٰۃ کے تعلق سے عمومی کوتاہی

اسلام کے ارکان میں نماز کے بعد دوسرا مقام ”زکوٰۃ“ کو حاصل ہے، قرآن مجید میں اکثر مقامات پر نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر اور تاکید موجود ہے، یہ وہ فریضہ ہے جسے اسلام میں ستون و بنیاد کا درجہ دیا گیا ہے، کسی انسان کے صاحبِ ایمان ہونے کی شناخت کے لیے جو معیار قرآن نے طے کیا ہے، اس میں توحید و رسالت کے اقرار اور نماز کے بعد زکوٰۃ ہی کا ذکر ہے۔(التوبہ/۱۱)

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت کے لیے جو شرطیں متعین فرمائی ہیں، ان میں بھی زکوٰۃ کا ذکر ہے۔

(سورۃ الحج/۴۱)

جو لوگ اس فرض کو ادا نہیں کرتے، ان کے لیے آخرت میں دردناک عذاب کی دھمکی قرآن و حدیث میں موجود ہے، دنیا میں بھی اس جرم کی نقد سزا کے طور پر بے برکتی، مال کا غلط مصارف میں ضیاع اور نقصان جیسی آفات مسلط کردی جاتی ہیں۔

ممتاز عالم دین حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی نے تحریر فرمایا ہے: ”زکوٰۃ و صدقات کی برکت سے مال کا بڑھنا اور ان کے روکنے کی نحوست سے مال کا گھٹنا ایک ایسی روشن حقیقت ہے جس سے کسی منصف مزاج کافر کو بھی مجال انکار نہیں؛ مگر افسوس رنگ و بو کی ظلمت نے آج کے مسلمان کی نظر سے اس روشن اور چمکتی حقیقت کو بھی اوجھل کردیا، اس مسلمان معاشرے میں کتنے مسلمان ہیں جو فریضۂ زکوۃ کے تارک ہیں، انھیں اپنے مال کا چالیسواں حصہ نکالنا گوارہ نہیں؛ مگر دوسری طرف یہ گوارہ ہے کہ امراض ناگہانی آفات و حوادث یا ناجائز

مصارف میں اس سے بھی دس گنا زائد مال نکل جائے۔

ذیل میں ایک دشمن اسلام انگریز کا واقعہ درج کیا جارہا ہے، شاید کسی غافل مسلمان کی چشم عبرت وا ہو۔حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: ”میں نے اپنے بچپن میں اپنے والد صاحب سے اور دوسرے کئی لوگوں سے بھی یہ قصہ سنا کہ ضلع سہارنپور میں قصبہ بہیٹ سے آگے انگریزوں کی کچھ کوٹھیاں تھیں، جن میں ان انگریزوں کے کاروبار ہوتے تھے اور ان کے مسلمان ملازم کام کیا کرتے تھے اور وہ انگریز دہلی کلکتہ وغیرہ بڑے شہروں میں رہتے تھے، کبھی کبھی معائنہ کے طور پر آکر اپنے کاروبار کو دیکھ جاتے تھے، ایک مرتبہ اس جنگل میں آگ لگی جو کبھی کبھی مختلف وجوہ سے لگتی رہتی تھی اور وہاں کے باغات وجنگلات کو جلا دیتی تھی، ایک دفعہ اس جنگل میں آگ لگی اور قریب قریب ساری کوٹھیاں جل گئیں، ایک کوٹھی کا ملازم اپنے انگریز آقا کے پاس دہلی بھاگا ہوا گیا اور جاکر واقعہ سنایا کہ حضور سب کوٹھیاں جل گئیں، آپ کی بھی جل گئی، وہ انگریز کچھ لکھ رہا تھا، نہایت اطمینان سے لکھتا رہا، اس نے التفات بھی نہیں کیا، ملازم نے دوبارہ زور سے کہا کہ حضور سب جل گیا، اس نے دوسری دفعہ بھی لاپرواہی سے جواب دے دیا کہ میری کوٹھی نہیں جلی اور بے فکری سے لکھتا رہا، ملازم نے جب تیسری دفعہ کہا تو انگریز نے کہا کہ میں مسلمانوں کے طریقہ پر زکوٰۃ ادا کرتا ہوں؛ اس لیے میرے مال کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا، وہ ملازم تو جواب دہی کے خوف کے مارے بھاگا ہوا گیا تھا کہ صاحب کہیں گے کہ ہمیں خبر بھی نہیں کی، وہ انگریز کی اس لاپرواہی سے جواب سن کر واپس آگیا، آکر دیکھا تو واقعی سب کوٹھیاں جل چکی تھیں؛ مگر انگریز کی کوٹھی باقی تھی۔

فائدہ:۔اللہ کی شان کہ اسلامی احکام پر عمل کرکے غیر مسلم تو فائدہ اٹھائیں اور ہم لوگ زکوۃ ادا نہ کرکے اپنے مالوں کو نقصان پہنچائیں، کہیں چوری ہوجائے، کہیں ڈاکہ پڑجائے، کہیں کوئی آفت مسلط ہوجائے۔

(سود خور سے اللہ اور اس کے رسول کا اعلان جنگ/ ۱۲-۱۳، بحوالہ آپ بیتی: ۲/ ۸۸)

اس سے آگے بڑھ کر دیکھا جائے، اگر اجتماعی طور پر کسی معاشرے یا خطے میں زکوٰۃ کا اہتمام ختم ہونے لگتا ہے، لوگ زکوٰۃ کی ادائیگی سے لاپرواہ ہوجاتے ہیں، یا پائی پائی کے مطلوب حساب کے بجائے تخمینی طور پر زکوٰۃ ادا کردیتے ہیں، تو ان کوتاہیوں کا وبال اجتماعی وبال وآفت (مثلاً قحط سالی ودیگر حادثات) کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، آج یہی صورتِ حال سامنے ہے، احادیث کی صراحت کے مطابق ایک دور ایسا آئے گا کہ زکوۃ کو تاوان اور بوجھ سمجھا جائے گا، آج کا منظر نامہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔

(بقیہ صفحہ: ۱۲ پر)

اصلاحی مضامین

اچھے گناہ گار کون لوگ ہیں؟

از: مولانا مفتی محمد سلمان قاسمی محبوب نگری*

گناہ کا مطلب؛ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے احکام کی خلاف ورزی ہے، شریعت میں وارد نصوص کی نزاکت اور ان سے مستنبط نکات کو مدنظر رکھ کر ائمہ مجتہدین اور حضرات علماء نے گناہوں میں درجہ بندی کی ہے کہ بعض گناہ کبیرہ ہیں تو بعض صغیرہ وغیرہ، اور یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے، لیکن بہ نظر حقیقت دیکھا جائے تو گناہ بہرصورت گناہ ہے۔ حضرت ابو اسحاق اسفرائینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سارے کے سارے گناہ کبیرہ ہی ہیں، یعنی جس ذاتِ عالی شان کی خلاف ورزی ہو رہی ہے اس کے پیش نظر تو کوئی بھی گناہ چھوٹا نہیں ہے، اس لیے کہ وہ شہنشاہِ کائنات ہے، اس کے دربار کی ادنیٰ نافرمانی بھی بہ جائے خود ایک بڑا ظلم اور مالک کے مقابلے جرأت مندی ہے۔ گناہ کرنا انسان کی سرشت میں داخل ہے، ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام سے سرزد لغزش سے اللہ پاک نے ساری انسانیت کو یہ باور کروا دیا کہ گناہ کا ہونا انسانیت اور آدمیت کے خلاف نہیں ہے، اللہ پاک نے نفس و شیطان کو ہر انسان کا مصاحب و ساتھی بنا دیا ہے جو ہر آن اس کو خالق کی معصیت پر آمادہ کرنے کے درپے ہوتے ہیں، لہٰذا ہر انسان سے گناہ کا صدور ممکن ہے، یہ انبیاء علیہم السلام اور حضرات ملائکہ کا وصفِ امتیاز ہے کہ ان کو اللہ پاک نے معاصی سے محفوظ رکھا ہے۔

لیکن صدورِ معصیت کے بعد اس پر اصرار یا اس کے تئیں احساس کا مردہ ہو جانا اور اس کی قباحت کا دل سے نکل جانا یہ کسی بھی لحاظ سے شرافت و دانش مندی نہیں ہے، دنیا کا بھی یہ ضابطہ ہے کہ اگر کوئی کسی جرم یا غلطی کا ارتکاب کرے، اور پھر اپنی غلطی کا اس کو ذرا احساس نہ ہو بلکہ وہ مزید ڈھٹائی اور ضد کے ساتھ جرائم کا مرتکب ہوتا جا رہا ہو تو اس کی معافی کسی بھی قانون میں روا نہیں سمجھی جاتی، لہٰذا انسان کو بھی چاہیے کہ جب جب بھی کوئی گناہ یا خلاف شرع امر کا ارتکاب ہو جائے تو فوراً اللہ پاک کی درگاہ میں رجوع کرے، رسولِ خدا رحمتِ عالم ﷺ کا فرمان عالی شان ہے: "کل ابن آدم خطاء و خیر الخطائین التوابون"

''ہر بنی آدم (انسان) بہت زیادہ خطا کار ہے، اور (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) بہترین خطا کار وہ ہیں جو

* خادم التدریس ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

کثرت سے توبہ کرنے والے ہوں۔'' (سنن الترمذی)

اس حدیث میں غور کیجیے کس قدر بہترین انداز سے انسانیت کو سمجھایا ہے کہ ہر انسان سے غلطی ہوسکتی ہے، غلطی کے وجہ سے ناامید ہونے یا کسی طرح کے قلق میں مبتلا ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کیوں کہ غلطی کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے، البتہ اس غلطی پر فوراً توبہ کرلی جائے اور فوراً خدا کی جانب رجوع کیا جائے تو یہ سمجھ داری کی بات ہے، یہ گناہ گار بہتر انسان کہلانے کے لائق ہے، سبحان اللہ! ایک طرف تو گناہ گار جس نے معصیت و گناہ کے ذریعہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دی ہے، اس کے باجود اس کو خیر (بہتر) کہا جارہا ہے، یہ کس قدر پیاری شریعت ہے اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کتنا نرالا انداز ہے، بلکہ اس میں تو ہر گناہ گار کے دل کی تسلی کا سامان ہے کہ ڈرو مت، گھبراؤ مت، بس تم اپنے گناہوں سے توبہ کرلو اور اللہ سے معافی چاہو تو تم سب سے بہتر بن جاؤ گے، بلکہ توبہ تو تمہارے لیے محبت خداوندی کا وسیلہ ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں: ' اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیۡنَ وَ یُحِبُّ الۡمُتَطَہِّرِیۡنَ '' [البقرۃ:222] ترجمہ:"یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتے ہیں پاک صاف رہنے والوں سے۔'

یہ تو رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان تھا اس سے بھی پیارے انداز سے تو رحمان ورحیم ذات اللہ رب العزت والجلال نے اپنے گناہ گار بندوں سے خطاب فرمایا ہے، قرآن پاک کی آیت ہے: قُلۡ یٰعِبَادِیَ الَّذِیۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَۃِ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ ﴿۵۳﴾ [الزمر:53] ترجمہ:" آپ کہہ دیجیے کہ اے میرے بندو! جنھوں نے (کفروشرک کرکے) اپنے اوپر زیادتیاں کی ہیں کہ تم اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو، بالیقین اللہ تعالیٰ تمام (گزشتہ) گناہوں کو معاف فرمائے گا، واقع وہ بڑا بخشنے والا، بڑی رحمت کرنے والا ہے۔" (بیان القرآن)

اس میں گناہ گار بلکہ کفار بندوں کو اللہ پاک اپنی جانب منسوب فرما کر بلا رہے ہیں کہ اے میرے بندو! یہ کیسی شان کریمی ہے، یہ کتنا حسین خطاب ہے کہ اپنے باغیوں اور نافرمانوں کو قریب کیا جارہا ہے، زندگی بھر کے معاصی اور جرائم کے باوجود دِلاسا دے کر اطمینان دلایا جارہا ہے کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی ساری عمر میری نافرمانی میں کھپادی، ہمیشہ میری مخالفت پر ڈٹے رہے، میری کبریائی کا ذرا پاس ولحاظ نہیں کیا، حق تو یہ تھا کہ میں تم کو کبھی معاف نہ کرتا، کڑی سے کڑی سزا دیتا لیکن چھوڑو اپنے ماضی کو، بس اب آجاؤ؛ میری رحمت سے مایوس نہ ہونا، میں ضرور صفتِ غضب سے متصف ہوں لیکن "ان رحمتي تغلب غضبي" (مسلم) میری رحمت میرے غصے سے بڑھی ہوئی ہے، بس اپنے گناہوں پر پشیمانی ظاہر کرو، میرے سامنے سچی توبہ کرلو، إِنَّ اللّٰہَ

يَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِيۡعًا آپ کا یہ پاک پروردگار سارے کے سارے گناہوں کی بخشش کردے گا، پھر تم پاک و پوِتر ہوجاؤ گے، تمہاری ساری خطائیں درگزر کردی جائیں گی؛ جیسا کہ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے "التائب من الذنب، کمن لا ذنب له" (سنن ابن ماجہ، باب ذکر التوبۃ) "گناہ سے (صدقِ دل سے) توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح (پاک وصاف ہوجاتا) ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔"

بس اس کیفیت کے حصول کے لیے شرط یہ ہے کہ ہم بہ صدق دل اور کامل نیت کے ساتھ توبہ کریں، اللہ پاک نے اہلِ ایمان کو حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا تُوۡبُوۡۤا اِلَى اللّٰهِ تَوۡبَةً نَّصُوۡحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يُّكَفِّرَ عَنۡكُمۡ سَيِّاٰتِكُمۡ "(التحریم:۸) اے ایمان والو! اللہ کی طرف ایسا رجوع کرو جس کے بعد گناہ کی طرف لوٹنا نہ ہو، قریب ہے کہ تمہارا رب تمہاری برائیاں تم سے مٹادے۔

گناہ کرنا اللہ پاک کی ناراضگی کا باعث ضرور ہے لیکن توبہ کرنا اس سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کا ذریعہ ہے؛ حارث بن سُوید رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوا، اس وقت وہ بیمار تھے، انہوں نے ہمیں ایک حدیث سنائی کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: "اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندے کی توبہ پر اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا وہ آدمی (خوش ہوتا ہے) جو ہلاکت خیز سنسان اور بے آب وگیاہ میدان میں ہو، اس کے ساتھ اس کی سواری ہو، اس (سواری) پر اس کا کھانا اور پانی لدا ہوا ہو، وہ (تھکا ہارا کچھ دیر کے لئے) سوجائے اور جب جاگے تو سواری جاچکی ہو۔ وہ ڈھونڈتا رہے یہاں تک کہ اسے شدید پیاس لگ جائے، پھر وہ کہے: میں جہاں پر تھا، اسی جگہ واپس جاتا ہوں اور سوجاتا ہوں، یہاں تک کہ (اس نیند کے عالم میں) مجھے موت آجائے۔ وہ اپنی کلائی پر سر رکھ کر مرنے کے لیے لیٹ جائے اور (اچانک) اس کی آنکھ کھلے تو اس کی وہ سواری جس پر اس کا زادراہ کھانا اور پانی تھا اس کے پاس کھڑی ہو۔ تو اللہ اپنے مومن بندے کی توبہ پر اس سے زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا یہ آدمی اپنی سواری اور زادراہ سے خوش ہوتا ہے۔" (صحیح مسلم)

اس حدیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ توبہ اللہ کے یہاں کتنا محبوب عمل ہے، اور تائب بندے سے اللہ پاک کس درجہ محبت کرتے ہیں، اللہ تو ہر آن اس انتظار میں ہیں کہ میرے بندے میری طرف رجوع کریں، حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ اپنا ہاتھ رات کو پھیلاتا ہے، تاکہ دن کا گناہ گار توبہ کرے اور اپنا ہاتھ دن کو پھیلاتا ہے، تاکہ رات کا گناہ گار توبہ کرلے، یہاں تک کہ سورج اپنے ڈوبنے کی جگہ سے نکلے۔ (مسلم)

اوپر کی سطور میں توبۃ النصوح کا ذکر ہوا، لیکن خالص توبہ کے لیے کچھ شرطیں بھی ہیں۔ اگر توبہ کرنے والا

ان شرائط کو پورا کرتا ہے تو اُمید ہے کہ وہ توبہ اس کے لیے مفید اور نافع ہوگی۔ اگر توبہ کرنے والا ان شرائط کا لحاظ نہیں کرتا ہے، تو ممکن ہے کہ وہ توبہ مفید اور ثمر آور نہ ہو۔ توبہ کی قبولیت کے لیے کتابوں میں متعدد شرطیں مذکور ہیں، مگر اس حوالے سے حضرت علیؓ نے جو چھ شرطیں بیان کی ہیں، وہ نہایت ہی جامع ہیں اور سب کے نزدیک مسلم ہیں۔ وہ شرطیں یہ ہیں؛ (۱) اپنے گزشتہ برے عمل پر ندامت، (۲) جو فرائض وواجبات اللہ تعالیٰ کے چھوٹے ہیں، ان کی قضا، (۳) کسی کا مال وغیرہ ظلماً لیا تھا، تو اس کی واپسی، (۴) کسی کو ہاتھ یا زبان سے ستایا اور تکلیف پہنچائی تھی، تو اس سے معافی، (۵) آئندہ اس گناہ کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم وارادہ، (۶) اور یہ کہ جس طرح اس نے اپنے نفس کو اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھا ہے، اب وہ اطاعت کرتے ہوئے دیکھ لے۔

(معارف القرآن، ج:۸، ص:۵۰۶)

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے نزدیک کوئی چیز دو قطروں سے زیادہ محبوب نہیں، ایک آنسو کا قطرہ جو اللہ کے خوف سے نکلا ہو اور دوسرا خون کا وہ قطرہ جو اللہ کے راستہ میں گرا ہوا۔ (مشکوٰۃ، ص:۳۳۳)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے نزدیک ندامت کا آنسو شہیدوں کے خون کی مانند اہمیت رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے مولانا رومی فرماتے ہیں:

قطرۂ اشکِ ندامت در سجود
ہمسری خون شہادت می نمود

(ندامت کے آنسوؤں کے وہ قطرے جو سجدہ میں گنہگاروں کی آنکھوں سے گرتے ہیں، اتنے قیمتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو شہیدوں کے خون کے برابر وزن کرتی ہے)

علامہ آلوسی نے تفسیر روح المعانی میں سورہ اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا کے ذیل میں ایک روایت نقل کی ہے، جس سے گنہگاروں کی ندامت اور شرمندگی کی غیر معمولی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ گنہگاروں کا رونا، آہ کرنا، گڑگڑانا مجھے تسبیح پڑھنے والوں کی سبحان اللہ کی آوازوں سے زیادہ محبوب ہے۔

بہر حال! ہم خطا کاروں کو سمجھنا چاہیے کہ اللہ پاک اپنی شان بے نیازی کے باوجود بندوں کو اس قدر اہتمام سے توبہ کی ترغیب دے رہے ہیں، گناہ سے توبہ کرنے والوں کو بہترین لوگ قرار دیا ہے، توبہ کو عند اللہ محبوبیت کی علامت بتایا ہے، اس سب کے باوجود گناہوں سے اپنے مالک کو ناراض کرنا، توبہ میں تاخیر کرنا بہت بڑی بیوقوفی اور نادانی ہے، لہذا ہم کو ابھی توبہ کر لینا چاہیے؛ کہیں آئندہ کے انتظار میں توبہ کا دروازہ بند نہ ہوجائے۔

اصلاحی مضامین

اساتذہ کے لیے دو نصیحتیں

از: مفتی عبید انور شاہ قیصر *

استاذ اور شاگرد کا رشتہ علمی، روحانی، نورانی و پاکیزہ رشتہ ہے. اس رشتے کے کچھ آداب، اخلاق، تقاضے ہیں جن کا خیال رکھنا دونوں کے لیے ضروری ہے. ہمارے مدارس میں عموماً طلبہ کو ان کی ذمہ داریاں اچھی طرح یاد دلائی جاتی ہیں. سال بھر ہونے والے مختلف جلسوں اور درسگاہوں میں اساتذہ اس موضوع پر خوب بولتے ہیں، لیکن ایک استاذ کی کیا ذمہ داری ہے اس پر بات نہیں ہوتی. حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اس تعلق سے بہت کچھ لکھا ہے. محی السنہ حضرت شاہ ابرار الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حوالے سے بہترین نصائح فرمائی ہیں. ان کا مختصر کتابچہ " آداب المعلمین " بھی " بقامت کہتر بہ قیمت بہتر" کی مثال ہے. ایک استاذ کی کیا ذمہ داری ہے اور اُس کے لیے کن کن چیزوں کا لحاظ رکھنا لازم ہے، یہ تفصیل طلب عنوان ہے اور کئی گوشوں میں پھیلا ہوا ہے. سب پہلوؤں کا احاطہ اس وقت پیش نظر نہیں، مجھے اس تحریر میں صرف دو مسئلے لکھنے ہیں، جن پر توجہ دینا حد درجہ لازم اور فرض ہے۔

(۱) پہلی بات اور سب سے اہم و حساس مسئلہ طلبہ کو جسمانی سزا دینے کا ہے، تربیت کا اصل الاصول نرمی، شفقت، ہمدردی اور حسنِ سلوک ہے؛ لیکن کبھی کبھی تربیت کا مرحلہ دشوار ہو جاتا ہے، تنبیہ اور ہلکی پٹائی کی ضرورت پڑتی ہے. شرعاً اس کی گنجائش بھی ہے مگر بہت سے اساتذہ اس فعل میں حد سے تجاوز اور صریح ظلم کرتے ہیں، وہ طلبہ کو اس ظالمانہ طریقہ پر مارتے ہیں جس طرح کوئی جانور کو بھی نہیں مارتا، دراصل یہ لوگ اپنی گھریلو الجھن، خانگی ٹینشن، اور دیگر مسائل کی کشاکش کا مداوا طلبہ پر غصہ نکال کر کرتے ہیں. گھر پر بیوی سے جھگڑا ہوا، اسے کچھ کہنے یا ہاتھ لگانے کی تو ہمت ہوتی نہیں تو درسگاہ میں آکر معصوم طلبہ کی پٹائی کر دیتے ہیں. کاروبار میں نقصان کی وجہ سے دماغ گرمایا تو طلبہ پر قمچیاں توڑ کر دماغ کو ٹھنڈک پہنچائی، پٹائی میں اعتدال، ضرورت، تربیت وغیرہ چیزیں مکمل مفقود ہوتی ہیں اور سراسر ظلم و تشدد کی شکل پائی جاتی ہے۔ خود کو عالم کہنے والے اور قرآن و حدیث کا سبق پڑھانے والے شریعت کے اصولوں کی پابندی نہیں کرتے، اس تعلق سے حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ کا

* استاذ حدیث وافتاء جامعہ امام انور شاہ دیوبند

ملفوظ ملاحظہ فرمائیں:" ایک کوتاہی تعزیر کے متعلق یہ ہے کہ جفا کاروں کے نزدیک اس کی کوئی حد ہی نہیں، جب تک اپنے غصہ کو سکون نہ ہوجائے سزا دیتے ہی چلے جاتے ہیں" نیز فرمایا "میں نے اپنے مدرسہ کے معلّموں کو بچوں کو مارنے کے لیے منع کر دیا ہے؛ کیوں کہ یہ لوگ حدود سے تجاوز کرتے ہیں اور شفاءِ غیظ کے لیے مارتے ہیں، ایسے زدوکوب کی اگر ولی اجازت بھی دے تو بھی درست نہیں۔" تعلیم وتربیت کی غرض سے کبھی سزا دینے کی ضرورت پڑ جائے تو اس میں دسیوں شرائط کا خیال رکھنا لازم ہے۔ میں یہ شرائط کتبِ فتاویٰ سے بعینہ نقل کر دیتا ہوں:

(1) بچوں کے والدین سے اس کی اجازت لی ہو۔ (2) سزا سے مقصود تنبیہ وتربیت ہو، غصہ یا انتقام کے جذبہ کی تسکین نہ ہو۔ (3) ایسی سزا شرعاً ممنوع نہ ہو۔ (نمبر 9، 10 اور 11 میں اس کی وضاحت آرہی ہے) (4) غصہ کی حالت میں نہ مارا جائے، بلکہ جب غصہ اتر جائے تو مصنوعی غصہ کرتے ہوئے سزا دے۔ (5) بچوں کی طبیعت اس کی متحمل ہو، یعنی بچوں کو ان کی برداشت سے زیادہ نہ مارے۔ (6) مدرسہ کے ضابطہ کی رو سے اساتذہ کو اس طرح کی تادیب کی اجازت ہو۔ (7) ہاتھ سے مارے، لاٹھی، ڈنڈا، کوڑے وغیرہ سے نہ مارے، اگر بچہ بالغ ہو تو بقدرِ ضرورت لکڑی سے بھی مار سکتا ہے بشرطیکہ برداشت سے زیادہ نہ ہو۔ (8) ایک وقت میں تین سے زیادہ ضربات نہ مارے، اور نہ ہی ایک جگہ پر تینوں ضربات مارے، بلکہ تین ضربات متفرق جگہوں پر مارے۔ (9) سر، چہرے اور ستر کے حصے پر نہ مارے۔ (10) بچہ تادیب کے قابل ہو، اتنا چھوٹا بچہ جو تادیب کے قابل نہ ہو اس کو مارنا جائز نہیں ہے۔ (11) ایسی سزا جس سے ہڈی ٹوٹ جائے یا جلد پھٹ جائے یا جسم پر سیاہ داغ پڑ جائے، یا دل پر اس کا اثر ہو، شرعاً جائز نہیں ہے۔

(۲) دوسرا مسئلہ طلبہ کو زبان سے ٹارچر اور ذلیل کرنے کا ہے. لوگ پٹائی کو جس قدر برا اور مضر سمجھتے ہیں، زبان کی مار اس سے ہزار گنا زیادہ بری اور مضر ہے، لیکن کسی کو اس کا احساس نہیں، بعض اساتذہ کو اپنے منصب کا خیال ہوتا ہے نہ عالم ہونے کا، نہ اسلامی اخلاق کا نہ اچھے کردار کا، وہ جب ڈانٹنے پر آتے ہیں تو زبان پر قابو نہیں رہتا. مغلظات، تحقیر آمیز جملے، فحش گالیاں جو دل میں آیا زبان سے بک دیا۔ اس ظلم پر مزید ظلم یہ کہ طالب علم کے ساتھ اس کے والدین کو بھی واہی تباہی کہہ ڈالتے ہیں۔ "سور کی اولاد"، "الو کے پٹھے"، "ڈنگر کی نسل کے" یہ ان ظالموں کے پسندیدہ جملے ہیں، غلطیوں پر ڈانٹنا اور تنبیہ کرنا ضروری ہے، ہر غلطی نظر انداز کرنے لائق نہیں ہوتی اور نہ ہر وقت نرمی کارآمد ہوتی ہے لیکن مسلسل ڈانٹنا، ہر کام میں ٹوکنا، حقارت کے ساتھ ڈانٹنا، گالیاں دینا.. یہ کھلی زیادتی اور جرم ہے، اس سے طالب علم میں ذہنی تناؤ، احساسِ کمتری، بے سکونی پیدا ہوتی ہے۔ اس کی شخصیت

مجروح ہوتی ہے اور وہ اندر سے ٹوٹ جاتا ہے. بعض بچے غیر معمولی حساس اور نازک مزاج ہوتے ہیں. ان کو یہ چیز پیش آئے تو ان پر زیادہ منفی اثرات ظاہر ہوتے ہیں، حتی کہ کئی بار خودکش کے واقعات رونما ہوتے ہیں. بسا اوقات اس بے جا ڈانٹ ڈپٹ کا الٹا ردعمل بھی ہوتا ہے، اس کی عادت سی ہو جاتی ہے اور پھر بچہ ضد، گستاخی، بغاوت پر اتر آتا ہے، میرے علم میں ایسے واقعات ہیں کہ اساتذہ کے ظلم وتشدد کے شکار کئی طلبہ نے صرف تعلیمی سلسلہ ہی منقطع نہیں کیا بلکہ وہ مولویت ہی سے بیزار ہو گئے، کئی بار معاملہ کی سنگینی اس درجہ پہنچتی ہے کہ مولوی بیزاری کے ساتھ مدارس بیزاری اور دین بیزاری پیدا ہو جاتی ہے، اس ہلاکت تک پہنچانے کے ذمہ دار وہ بے شعور ظالم اساتذہ ہیں جو اپنی شقاوت کے نتیجے میں معصوم اذہان میں نفرت کا بیج بوتے ہیں اور پھر آہستہ آہستہ یہ بیج ایک تناور درخت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ صرف ڈانٹتے وقت زبان پر قابو رکھنا ضروری نہیں ہے بلکہ نارمل گفتگو اور ہنسی مذاق کے ماحول میں بھی جملوں پر پہرا رہنا چاہیے. بعض اساتذہ بے تکلفی میں ایسی بات کہہ جاتے ہیں جو ہرگز استاذ کے شایان شان نہیں ہوتی. ایک استاذ کے بارے میں معلوم ہوا کہ انہوں نے ایک طالب علم کو مذاق میں یہ جملہ کہا کہ" اس لڑکے کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی اماں بھی بہت خوبصورت ہوگی!" مجھے اس بات کا علم ہوا تو میں نے سر پیٹ لیا. یہ شرم وحیا، غیرت کے خلاف ہے، ایک انتہائی گھٹیا جملہ ہے. کوئی حد سے زیادہ بے تکلف دوست بھی یہ جملہ دوسرے دوست سے نہیں کہہ سکتا. لیکن ان استاذ کو ادب، تہذیب، اخلاق، حیاء کا کوئی حصہ ہی نہیں ملا جو ایسی بات کہہ دی. اس طالب علم کے دل پر کیا گزری ہوگی، اس کے شرکاءِ درس اس کا کیسا مذاق اڑائیں گے اور اس کا اثر اس بیچارے پر کیا ہوا ہوگا، کچھ بھی تو خیال نہیں کیا۔ ذمہ داران مدارس کو اس سلسلے میں اساتذہ کی تربیت کرنی چاہیے۔ بعض ناعاقبت اندیش افراد کی وجہ سے ایک پوری جماعت بدنام ہو اس سے بہتر ہے کہ ان افراد ہی کی معقول اصلاح وعلاج کیا جائے، یوں بھی اب اس تعلق سے بڑے سخت قانون بن چکے ہیں، کیمرے کی نگاہیں ہر طرف جاسوسی کر رہی ہیں، دشمن بہانے کی تلاش میں ہے ایسے میں بے وقوفی بھرا ایک واقعہ پورے مدرسے اور انتظامیہ کے گلے کی ہڈی بن سکتا ہے اساتذہ کو خود ان امور کا دھیان رکھنا چاہیے اور اس حدیث کو پڑھنے پڑھانے کے ساتھ سب سے پہلے اس پر خود عمل کرنا چاہیے... قَالَ النَّبِيُّ ﷺ: "المسْلِمُ مَنْ سَلِمَ المسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ." ترجمہ: (کامل) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کے شر وایذا رسانی) سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ [صحیح البخاری:10]

اصلاحی مضامین

اسلامی تشخص اور تہذیب کا خیال رکھئے

از: مولانا خواجہ نصیر الدین قاسمی*

اسلامی تشخص و امتیاز

اسلام کی اپنی پہچان، اپنی تہذیب اور اپنا خاص رنگ ہے، مسلمان اس خاص تہذیب و کلچر کا ترجمان ہے، اس کے ہر طرز عمل اور نقل و حرکت سے اسلام جانا پہچانا جاتا ہے، مسلمانوں کا غیر اسلامی عادات و اطوار کو اپنانا اور اس سے راضی و خوش رہنا دینِ اسلام کے امتیاز کو ختم کر دینے کے مترادف ہے، اسلام اس باب میں نہایت باغیرت ہے کہ دوسروں کے طریقوں، عادتوں اور طرزِ زندگی سے اپنے ماننے والوں کو بچنے کا تاکیدی حکم دیتا ہے، چناں چہ حق تعالیٰ شانہ کا فرمانِ عالی شان ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ (المائدہ) (اے ایمان والو! یہودیوں اور نصرانیوں کو یار و مددگار نہ بناؤ، یہ خود ہی ایک دوسرے کے یار و مددگار ہیں اور تم میں سے جو شخص ان کی دوستی کا دم بھرے گا تو پھر وہ انہی میں سے ہوگا۔ یقیناً اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔)

اس ارشادِ ربانی کی تبیین و تشریح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امتِ مسلمہ کو یہود و نصاریٰ سے دور رہنے کی مؤثر ہدایات دی ہیں مثلاً فرمایا: **لیس منا من تشبه بغیرنا لا تشبهوا بالیهود و لا بالنصاریٰ فان تسلیم الیهود الاشارة بالاصابع و تسلیم النصاریٰ الاشارة بالاکف** (ترمذی:2695) وہ شخص ہم میں سے نہیں جو غیروں کی مشابہت اختیار کرے، تم نہ یہود کی مشابہت اختیار کرو نہ نصاریٰ کی، اس لئے کہ یہود انگلیوں کے اشارہ سے سلام کرتے ہیں اور نصاریٰ ہتھیلی کے اشارہ سے۔ (یعنی ضرورت پڑنے پر تم ہاتھ کے اشارہ کے ساتھ زبان سے بھی السلام علیکم کہو۔) دوسری جگہ فرمایا: **إن الیهود والنصاریٰ لا یصبغون فخالفوهم** (بخاری:5899) یہود و نصاریٰ (سر اور داڑھی کے بالوں میں) خضاب نہیں لگاتے، تم ان کی مخالفت کرو (یعنی

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

خضاب استعمال کرو) ایک جگہ فرمایا: لایزال الدین ظاهرا ما عجل الناس الفطر لان الیهود و النصاریٰ یؤخرون (مسند احمد:9810) دین اس وقت تک غالب رہے گا جب تک کہ(مسلم) لوگ افطار کرنے میں جلدی کریں گے کیوں کہ یہود ونصاریٰ (افطار میں) تاخیر کرتے ہیں۔ایک موقعہ پر فرمایا: أعفوا اللحیٰ، وخذوا الشوارب وغیروا اشیبکم ولا تشبهوا الیهود والنصاریٰ (مسند احمد:8672) داڑھی بڑھاؤ، مونچھیں کٹواؤ، بالوں کی سفیدی کو(خضاب لگاکر) تبدیل کرو، اور یہود ونصاریٰ کی مشابہت مت اختیار کرو۔

یہ چند روایات بہ طورنمونہ ذکر کی گئی ہیں کتب حدیث میں ایسی بے شمار روایات ہیں جو یہودی ونصرانی تہذیب سے علاحدگی اور مکمل اجتناب پر زور دیتی ہیں۔

اسلام میں حیاء و پاک دامنی کی اہمیت

دوسری طرف اسلام کی ایک اور خوبی یہ ہے کہ وہ پاکیزہ مذہب ہے، اس کی تعلیمات پاکیزہ معاشرہ کی تشکیل دیتی ہیں، وہ مسلمانوں کو صالح فکر ونظر، اچھی صفات پیدا کرنے اور اعمالِ صالحہ کرنے کا پابند کرتا ہے، وہ حیاداری و پاک دامنی، عفت و پاکدامنی کو پسند کرتا ہے، قرآن کریم نے فلاح یاب مؤمنوں کے تذکرے میں پاک دامن مردوں کو بھی شامل کیا ہے، وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ﴿۵﴾(المؤمنون:۵)، حیادار مردوں اور عفت مآب عورتوں کے لئے مغفرت واجرِعظیم کا وعدہ فرمایا ہے :وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴿۳۵﴾(الاحزاب:۳۵) سورۂ اسراء میں بدکاری کے قریب بھی نہ جانے کی تاکید فرمائی کیوں کہ وہ بڑی بے حیائی کا کام ہے اور بدترین راستہ ہے وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا﴿۳۲﴾ ایک اور جگہ واضح الفاظ میں فرمایا کہ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ (سورہ اعراف:۲۸) ’’آپ فرمادیجئے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا‘‘۔

حیا و پاکدامنی کے متعلق ارشاداتِ ربانی کے بعد کچھ نبوی تعلیمات بھی ملاحظہ کیجئے: چناں چہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: الحیاء من الایمان ’’حیاء ایمان کا حصہ ہے‘‘۔(بخاری:۲۴) ایک جگہ حفظِ لسان وفرج کی حفاظت پر جنت کی ضمانت دیتے ہوئے فرمایا: من توکل لی مابین رجلیه و ما بین لحیيه توکلت له الجنة (بخاری:۶۸۰۷) جو مجھے اپنے رانوں کی درمیانی چیز (شرم گاہ) اور جبڑوں کے درمیان کی چیز (زبان) کی حفاظت کی ضمانت دے میں اُسے دخولِ جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔امت کو حیا و پاک دامنی کی اہمیت سمجھاتے ہوئے فرمایا: یا شباب قریش احفظوا فروجکم، لا تزنوا الا من حفظ فرجه فله الجنة (مسند

بزار:۲۹۷۴) اے نوجوانانِ قریش! اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرو، زنا مت کرو، سنو! جس نے اپنی شرم گاہ کی حفاظت کی اس کے لئے جنت ہے۔ اتنا ہی تعلیمِ امت کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باری تعالیٰ سے اِن الفاظ میں سوال کیا ہے، ''اللّٰھمّ إنِی أسئَلُک الھُدیٰ و التُقیٰ و العَفَاف وَ الغِنیٰ '' اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، پرہیز گاری، پاک دامنی، اور غنیٰ کا سوال کرتا ہوں۔(مسلم:۲۷۲۱)

کتاب وسنت کی روشنی میں یہ بات بالکل منقح ہوگئی کہ اسلامی امتیازات وتشخصات کی حفاظت کرنا اورعفت و پاکدامنی کی زندگی گذارنا مسلمان مردوں اورعورتوں کے لازم وضروری ہے۔ اغیار کے طور طریق اپنانا اور اپنی پہچان کھودینا، اوروں کی طرح بے حیائی کی راہ چلنا اور اُن کی حیاسوز محفلوں اور تقریبات وتفریحات کا حصہ بننا اور اسے اپنے لئے پسند کرنا یہ اسلامی شیوہ نہیں ہے۔

کرسمس ڈے کی حقیقت

ماہِ ڈسمبر رواں ہے، ۲۵ رڈسمبر کو دنیائے عیسائیت ولادتِ مسیح کی یادگار کے عنوان سے ''کرسمس ڈے'' کا تہوار مناتی ہے، رقص وسرود، شراب وشباب، اورعریانیت وفحاشی کو اس کا حصہ بنا کر ساری اخلاقی حدیں توڑ دیتی ہے، اور بڑے تقدس کے ساتھ ایک دوسرے کو Happy Christmas Day کہہ کر مبارک باد دیتے اور تحفے تحائف کا تبادلہ کرتے ہیں، جب کہ تاریخ شاہد ہے کہ عیسائیوں کو حضرت مسیح کی ولادت کا دن ہی نہیں معلوم، ۲۵ ردسمبر سے ان کی ولادت کا کوئی واسطہ ہی نہیں، بل کہ تین صدیوں تک اس دن اور تقریب کا کوئی تصور ہی نہ تھا۔ دراصل سورج اس تاریخ کو اپنی عروج کی منزل طے کرتا ہے، آفتاب پرستوں کے یہاں یہ ایک مقدس دن تھا اور وہ اُسے Sunday Holiday کے عنوان سے خوشی ومسرت کا اظہار کرتے تھے اور چھٹی منا کر خوشی وجشن کا ماحول بناتے تھے۔ انہی آفتاب پرستوں کی خوش نودی میں ایک عیسائی راہب نے ۲۵ر ڈسمبر کی تاریخ اپنی قوم کے لئے ''ولادت مسیح'' کا مبارک دن کہہ کر طے کردیا۔ پھر کسی رومی راہب نے موم بتیاں روشن کرکے آنکھیں بند کرکے دعائیہ اجتماع کرنے کی نئی رسم کو اس میں شامل کردیا، اوراُسے بھی مقدس عمل بنادیا، جرمنی قبائل نے اس کے ساتھ ایک درخت ''کرسمس ٹری'' کے نام سے جوڑ دیا اوراُسے متبرک بنادیا، اور ۱۸۴۷ء میں ملکہ وکٹوریہ نے جرمن میں کرسمس ڈے منایا تو وہاں کرسمس ٹری بھی نظر کو بھا گیا اور اس نے لندن آکر پہلی دفعہ ۱۸۴۸ء کو ایک دیو ہیکل کرسمس ٹری بنوایا اوراسے اس کرسمس ڈے کا حصہ بنادیا۔ اوراب یہ سب کچھ عیسائی کلچر کا حصہ بنا ہوا ہے۔ جب کہ دینِ عیسوی میں ان سب خرافات کا کوئی ذکر ہے نہ مذاکرہ۔

یہ اجمالی تذکرہ اِس لئے کیا گیا کہ مسلمانوں کا عیسائیوں کو اس موقعہ پر مبارک باد پیش کرنا اوران کی تقریبات میں دل داری کے لئے شرکت کرنا اورانھیں تحائف دینا یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمان بھی ان خرافات کو اچھی نظر سے دیکھتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اس طرح کی بے ہودگیاں اور بے حیائی کی تقریبات ہر سال ہوتی رہیں۔

شب سالِ نو کا جشن

اسی طرح سالِ نو منانا یہودی اورعیسائی کلچر ہے، نیوائیر نائٹ (شبِ سالِ نو) میں اقوامِ عالم کے نوجوان جو حیاباختہ حرکتیں کرتے ہیں اُسے دیکھ کر ان کے بڑوں کا سر شرم سے جھک جاتا ہے اور ناک کٹ جاتی ہے، لیکن مسلمانوں کا غیر قوموں کی طرح نئے سال کی آمد پر خوشی منانا، سالِ نو کا آغاز ہوتے ہی بے حیائی وفحاشی، رقص وسرور، آتش بازی، نوجوان لڑکوں اورلڑکیوں کے ناجائز تعلقات، شراب نوشی اور نشہ آور مشروبات کا استعمال، فحش ایس ایم ایس بھیجنا، Happy New Year Festivals کو جوش وخروش سے منانا، ایک دوسرے کو وِش (Wish) کرنا، کالجز اور ہاسٹلس میں جشن وطرب کی پارٹیز سیلبریٹ (Celebrate) کرنا، گریٹنگس شئیر کرنا وغیرہ، خالص غیروں کی نقالی ہے، اور بے حیائی کو فروغ دینے میں حصہ دار بننا ہے، جب کہ ماہِ جنوری نہ اسلامی مہینہ ہے نہ اُس سے اسلامی سال کا آغاز ہوتا ہے، نہ یہ خوشی منانے کا موقع ہے، اسلامی تہذیب سے اس کا کوئی تعلق نہیں بل کہ یہ تو زندگی سے ایک سال کے ختم ہوجانے پر اپنا احتساب اور جائزہ لینے کا موقعہ ہے کہ گذشتہ سال میں نے کیا پایا اور کیا کھویا؟ کتنی ترقی کی اور کتنا زوال ہوا؟ اسلام ان سب لغویات وفواحش سے بچنے کا سختی سے حکم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑲ ”جو لوگ مومنوں میں بے حیائی پھیلانا چاہتے ہیں ان کے لئے دنیا وآخرت میں دردناک عذاب ہے، اوراللہ تعالیٰ جانتے ہیں تم نہیں جانتے ہو“ (سورۂ نور:۱۹) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: من تشبه بقوم فهو منهم (ابوداؤد:۴۰۳۱) جو آدمی جس قوم کی نقل کرے گا اس کا حشر اسی قوم کے ساتھ ہوگا“۔

اب مسلمان یہ طئے کریں کہ وہ بھی نیوائیر مناکر اور بے حیائی پھیلا کر عذابِ الٰہی کے مستحق ہونا چاہتے ہیں یا یہود ونصاریٰ کے ساتھ اپنا حشر کرانا چاہتے ہیں!! مومن بھائیوں اور بہنوں سے گذارش ہے کہ وہ نئے سال کا بے حیائی سے آغاز کرنے کے بہ جائے توبہ واستغفار اور بلند عزائم کے ساتھ کریں اور عذابِ خداوندی کا شکار بننے کے بہ جائے رحمتِ الٰہی متوجہ کریں، خود بھی یہودی ونصرانی تہذیب کے تعفن سے دور اور اپنی نسل کو بھی محفوظ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان سب بے حیائی کے کاموں سے بچائے۔ آمین

افاداتِ اکابر

ارشاد السالکین

"خانقاہِ سعیدیہ" میں ہر شمسی مہینے کے دوسرے اتوار کو صبح ۹ر بجے تا شب ۹ر بجے اصلاحی مجلس منعقد ہوتی ہے، اس میں جنوبی ہند کی تمام ہی ریاستوں سے تقریباً تین سو سالکین شرکت کرتے ہیں، صبح ۱۰ تا ۱۲ر بجے کی نشست میں شرکاء کے پوچھے گئے سوالات کے جواب مرشدی حضرت اقدس مولانا محمد عبد القوی صاحب مدظلہ العالی خود دیتے ہیں، جو بہت ہی نافع ہوتے ہیں، علماء وعوام سب ہی اس کے قائل ہیں، اس لئے مولانا مفتی محمد احمد علی صاحب قاسمی زید فضلہ استاذ ادارۂ ہذا ومجازِ حضرت والا نے اِن کو جمع کر کے قارئین کے فائدے کے لئے شائع کیا ہے۔ از مرتب

یہ خواب بھی ہے اور تعبیر بھی:

سوال:۔ بندہ چند دن قبل ایک خواب دیکھا ہے؛ اس میں یہ تھا کہ آپ مجھ کو دیکھ کر ناراض ہوئے، میں دوڑتا ہوا آپ کے پاس آیا، کہا کہ حضرت! اب سے ضرور تقویٰ اختیار کروں گا، ہمیشہ تقوے والی زندگی گزاروں گا، اس کے بعد آپ نے کہا ٹھیک ہے، آپ میرے پاس آیئے اور صرف مجھے دیکھ کر جا رہے تھے، کچھ بول نہیں رہے تھے، میں خود آپ کے پیچھے پیچھے چلتا رہا، براہِ مہربانی بتایئے کہ اس کی تعبیر کیا ہے؟۔

جواب: بس خواب بھی ہے تعبیر بھی ہے، ماشاءاللہ، اس میں مزید تعبیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے، غور کر کے دیکھ لو کہ تقوی اللہ میں کوتاہی تو نہیں ہو رہی ہے، اگر ہو رہی ہے تو اس خواب کو من جانب اللہ تنبیہ سمجھو، اور کوشش کرو کہ ہم اور زیادہ متقی بنیں گے، جس قدر بھی تقویٰ حاصل ہے وہ نافع ہے کافی نہیں ہے، اس کے معیار کو اور بلند کرنا ہے تلافیٔ مافات کے ساتھ ترقی کی فکر عمر بھر کرتے رہنا ہے۔

غزہ اور فلسطین کے موجودہ حالات

سوال: غزہ اور فلسطین کے موجودہ حالات جن میں جنگ بندی دور دور تک دکھائی نہیں دے رہی ہے، اور ظلم کے پہاڑ امت کے ایک حصے پر توڑے جا رہے ہیں؛ جسے دیکھ کر اکثر مایوسی ہوتی ہے، اور یہی مایوسی غصے کی شکل میں گناہوں کی طرف مائل کرتی ہے، اس کا کوئی حل بتایئے؟

جواب: مایوس تو مومن نہیں ہوتا، مایوسی کفر ہے الایمان بین الخوف و الرجاء ،توقعات سو فیصد اللہ سے ہے، ڈر بھی سو فیصد اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، مایوس کیوں ہو رہے ہیں؟ غزہ کی ایک چھوٹی بچی بھی مایوس نہیں ہے، جن پر بیت رہی ہے، گزر رہی ہے وہ مایوس نہیں، ہم گھر بیٹھے مایوس ہو رہے ہیں؟ وہ ہر بڑے حادثے کے بعد بیان دیتے ہیں کہ اس سے ہم گھبرانے والے اور ڈرنے والے نہیں ہیں، کل ہی ان کے اوپر ایک بھری مارکیٹ میں بمباری کی گئی ہے، پھر بچے، بوڑھے، عورتیں سب شہید ہو گئے، اس کے بعد بھی ان کا بیان یہ ہے کہ اس سے آپ ہماری ہمت نہیں توڑ سکتے، ہم اور ہمت کے ساتھ کھڑے ہوں گے، تو کم از کم انہی سے سبق لے لو کہ وہ ہمت کر کے مقابلے پر کھڑے ہو رہے ہیں، اور آپ مایوس ہو کر گناہوں میں مبتلا ہو رہے ہیں، مایوس ہو کر گناہوں میں مبتلا ہونے کا کیا مطلب؟ غصہ آتا ہے تو کیا غصہ گناہ کرنے کو کہتا ہے؟ اِن حالات کو دیکھ کر اگر آپ کو مایوسی ہوئی، اور غصہ آیا تو یہ خیال ہونا چاہیے تھا کہ کوئی شکل ہوتی تو ہم بھی جا کر ان دشمنوں سے لڑیں، گناہ کس نے سکھا دیا ہے؟ یہ سب نفس کا دھوکہ ہے، کوئی ہمدردی ہم کو نہیں ہے، اگر ان سے ہمدردی ہوتی تو گناہ چھوڑ کر متقی بن کر اللہ سے دعا کرتے کہ یا اللہ میں اتنا مجاہدہ کر رہا ہوں ان بھائیوں کو آپ کی نصرت دلانے کے واسطے، میرے ترکِ معصیت کے مجاہدے کو قبول فرما لیجئے، اور ان لوگوں کی نصرت فرما دیجئے۔

بہر حال! ان حالات میں اور سنبھل جانا چاہیے، اس وقت کا تقاضا بس یہی ہے کہ اپنے کام میں لگو، اور اللہ سے دعا مانگتے رہو، تفویض و تسلیم کو اختیار کرو، **وَاُفَوِّضُ اَمۡرِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ**، امور میں ایک امر اہل فلسطین کی فتح بھی ہے، اللہ پاک ان کی مدد فرمائیے، آمین۔

دوسروں کا حال دیکھ کر شکر ادا کرنا کبر نہیں

سوال: اگر ہم دوسروں سے اچھے حال میں ہوں، اور ان کو دیکھ کر شکر کریں تو کیا یہ تکبر ہے؟

جواب: بالکل نہیں! شکر کرنا ہی چاہیے، اللہ نے کچھ لوگوں کو ہم سے کمتر اس لیے رکھا کہ ان کو دیکھ کر ہمیں نعمتوں کا احساس ہو، اور ہم شکر گذار بندے ہیں بس! انہیں حقیر نہ سمجھے، کبر سے بچنے کے لئے اتنا کافی ہے، اُن سے بولنے کی ضرورت بھی نہیں ہے کہ ہم ان سے اچھے حال میں ہیں، ایک مسنون دعا ہے اس کے پڑھنے کا اہتمام کریں الحمد للہ الذی عافانی ممن ابتلاک بہ و فضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا یہ دعا دل ہی دل میں پڑھ لیں، اس کو سنا کر نہ پڑھیں، اور اپنے اس بھائی کے لیے بھی دعا کریں کہ اللہ پاک اس کو بھی خوش حالی نصیب کر دے، یہ حقِ مسلم ہے، جب یہ دعا دل سے نکلے گی تو پتہ چل جائے گا کہ دل میں کسی کی حقارت نہیں ہے، ہمدردی ہے، پس یہ تکبر نہیں ہے۔

سرزمین قدس سے

شہید یحییٰ سنوارؒ ایک دانشور اور مترجم بھی تھے

از: مولانا غیاث الدین دھام پوری (بجنور یوپی)

غزہ مزاحمت کاروں کے عمائد اور پولیٹیل بیورو کے سربراہ ابوابراہیم یحییٰ سنوار شہید کردئے گئے، 31/ جولائی کو ان کے پیشرو اسمٰعیل ہانیہ تہران میں شہید کئے گئے تھے۔ تحریک کے بانی شیخ یاسینؒ مارچ 2004 امریکی ساختہ اپاچی ہیلی کاپٹر سے داغے جانے والے میزائل سے اس وقت نشانہ بنے جب وہ بعد نماز فجر اپنی وہیل چیئر پر گھر واپس جا رہے تھے۔ شیخ کے بعد 56، سالہ ڈاکٹر عبدالعزیز الرنتیسی نے حماس کی قیادت سنبھالی لیکن صرف ایک ماہ بعد 17، اپریل کو انہیں بھی ہیل فائر میزائل سے شہید کردیا گیا، عجب اتفاق کہ چاروں قائدین حافظ قرآن تھے۔ اور سب اسرائیل کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ مگر مزاحمت کا استعارہ یحییٰ سنوار صاحبِ سیف وقلم بھی تھے، انہوں نے صرف میدان جہاد ہی میں صہیونیوں کے دانت کھٹے نہیں کئے بلکہ اپنے قلم کو بھی شمشیر کی طرح استعمال کیا، 1988 میں سنوار کو دو اسرائیلی سپاہیوں کو ہلاک کرنے کے الزام میں عمر قید کی سزا ہوئی تو جیل میں سنوار نے عبرانی زبان سیکھی، اور جیل ہی سے عبرانی اخبارات کے اہم مضامین کا ترجمہ کرکے اپنے قائدین کو بھجواتے رہے، دوران قید ان کے دماغ میں ایک رسولی (tumor) کا انکشاف ہوا، آپریشن انتہائی خطرناک تھا، انہوں نے اسرائیلی سرجنوں سے کہا کہ مجھے تم لوگوں کی نیت پر بھروسہ نہیں، لیکن زندگی کا مالک میرا رب ہے، لہذا میں آپریشن کے لئے تیار ہوں، یحییٰ سنوار نے 2011، تک قید وبند کی صعوبتیں جھیلیں۔ ان بائیس برسوں کے دوران عقوبت کدے میں انہوں نے لکھنے کا سلسلہ شروع کیا مگر اکثر مسودے اسرائیلی حکام نے تلف کردیے، ان کی چار اہم تصانیف اور عبرانی سے اردو میں ترجمہ کردہ کتابیں ان کی فکری اور ادبی ذوق کا پتہ دیتی ہیں، مگر اپنی اور دیگر مظلوم فلسطینیوں کی زندگی پر، الشکوک و قرنفل، (پھول اور کانٹے) کے عنوان سے ایک ناول لکھنے میں وہ عقوبت خانے میں کامیاب ہوگئے۔

تاریک زنداں میں لکھا گیا یہ ناول ایک طرح سے ان کی سوانح عمری ہے۔ مقدمۃ الکتاب میں وہ رقم طراز

ہیں کہ یہ میری ذاتی کہانی نہیں ہے اور نہ ہی کسی ایک شخص کی کہانی ہے، اگرچہ اس کے تمام واقعات حقیقی ہے، ہر واقعہ یا واقعات کا مجموعہ کسی نہ کسی فلسطینی کا ہے، تخیل صرف اس حد تک ہے کہ اسے ناول کی شکل دی گئی، تاکہ یہ خاص کہانی کرداروں کے گرد گھومے، اس کے علاوہ سب کچھ حقیقی ہے۔ اسے درجنوں فلسطینی قیدی نقل کرتے رہے۔ اس کتاب کے مسودے کو سنوار جلادصفت پہرے داروں کی نظروں سے اپنے خون آلود ہاتھوں سے چھپاتے رہے۔ تاکہ حق وسچ کی یہ آواز نہ صرف فلسطینی وعرب عوام، بلکہ دنیا بھر کے مسلمانوں تک پہونچ سکے ''الشوک و قر نفل'' کا اردو ترجمہ حامد قاسم پالنپوری نے نہایت عرق ریزی سے کیا ہے۔

شیخ کی یہ عرق ریز کاوش پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، السنوار کی ترجمہ کردہ کتابوں میں سب سے اہم ''الحزاب الاسر ائیلیه'' ہے جو 1992ء میں شائع ہوئی، یہ کتاب اسرائیلی سیاسی جماعتوں کے اندرونی اختلافات اور تضادات پر روشنی ڈالتی ہے، اور اس نے سنوار کو اسرائیلی سیاست اور سیکورٹی اداروں کو گہری تفہیم عطا کی، ایک اور اہم کتاب ''القادم لقتلک استبق و اقتله'' جس کا سنوار نے عبرانی سے ترجمہ دوران قید کیا، سنوار کی دیگر تصانیف میں آزاد قیدی اشرف البعلوجی کی مزاحمتی کارروائی پر مبنی کتاب بھی شامل ہے، یہ کتاب فلسطینی مزاحمت کی ایک اہم کارروائی کو دستاویزی شکل دیتی ہے۔ ان کی ایک تصنیف ''المجد شاباک'' کی تحقیقات پر مبنی ہے، یہ کتاب ان کی فلسطینی مزاحمت پر گہرے تجربات اور وابستگی کا نچوڑ ہے، ایک اور اہم تصنیف '' سنوار کا ایک اہم تنقیدی مطالعہ حماس ''التجربه و الخطاء حماس'' کے اندرونی تجربات اور غلطیوں پر روشنی ڈالتی ہے جو بعد میں ان کے لئے غزہ کی قیادت سنبھالنے میں مفید ثابت ہوئی، یہ کتاب ان کی سیاسی بصیرت اور گہرائی کی عکاسی کرتی ہے، یحیٰ سنوار کی زندگی کے یہ پہلو اس بات کے ثبوت ہیں کہ وہ محض ایک جنگجو نہیں بلکہ ایک دانشور و مترجم اور مفکر بھی تھے، جس نے فلسطین کی مختلف زاویوں سے خدمت کی۔

یحیٰ سنوار کو دنیا کی کوئی چیز خیرہ نہ کرسکی، کوئی مزہ لبھا نہ سکا اور دنیا کی کوئی شئی ان کو خرید نہ سکی۔ جرأت بہادری اور آخری سانس تک مزاحمت کی ہمت کو تاریخ میں ایسا امر کردیا کہ اب تو عربی لغت میں باقاعدہ ایک اور ضرب المثل کا اضافہ کردیا گیا ''رمیته بعصی السنوار ''یعنی میں نے اس پر سنوار کی چھڑی پھینک دی۔ ترکی میں ایک نومولود کا نام یحیٰ رکھ کر اس کے ہاتھ میں اس کے باپ نے ایک چھڑی تھما کر اسے احساس دلایا کہ اس نے بڑے ہو کر شیخ سنوار کی طرح بہادر بننا ہے۔

پوسٹ مارٹم کرنے والے اسرائیلی ڈاکٹروں کی رپورٹ کے مطابق شہید یحیٰ سنوارؒ نے اپنی شہادت سے قبل تین دن تک کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ جس صوفے پر یہ نقاب پوش مجاہد زندگی کے آخری لمحات میں کسی شہنشاہ کی

طرح براجمان تھا اسی پر اس کو شہید کیا گیا، اس صوفے کو بھی بطور یادگار محفوظ کرلیا گیا، خدا کی قسم اگر میرے پاس لکڑی بھی ہو تب بھی میں تم سے جہاد کرونگا، یہ بات سیدنا عمرؓ نے فرمائی تھی۔ یحیٰ سنوار شہیدؒ نے آخری لمحات میں میدان جنگ میں لڑتے ہوئے حضرت عمرؓ کے اس فرمان پر عمل کرکے یہ ثابت کردیا کہ ہماری رگوں میں دوڑنے والا خون کبھی ظالم کے سامنے ہماری گردن جھکانے پر مجبور نہیں کرسکتا، سنوار کی شہادت پر غیروں کی طرح طنز کے تیر عرب میڈیا نے بھی برسائے، سعودی ہفت روزہ 'عکاظ' نے سرخی جمائی کہ اسرائیل نے سنوار کو ہنیہ کے پاس بھیج دیا اور طنز سے جلی حرفوں میں لکھا کہ 'حماس بلاراس' یعنی مزاحمت کار بلا سر کے ہوگئے۔

ساٹھ سالہ یہ بوڑھا زخمی حالت میں بھی زمین پر لیٹنے کے بجائے کسی شہنشاہ کی طرح صوفے پر براجمان تھا، اس شہسوار کے بوقت شہادت کل اثاثے کیا تھے، ایک رائفل، ایک تسبیح، یومیہ اذکار نبوی کا ایک چارٹ، ایک مسنون دعاؤں کی کتاب، چند سو شیکل رقم، عام سی فوجی جیکٹ، بندوق کی گولیاں ہینڈ گرینڈ بم بس یہ سامان زندگی تھا۔ نہ بینک بیلنس نہ محلات، نہ جائداد، نہ گاڑیاں۔ یحیٰ سنوار نے شیر میسور ٹیپو سلطان شہید کی یاد بھی تازہ کرادی کہ ٹیپو سلطان نے بھی انگریزوں سے لڑتے ہوئے اسی طرح جان دی تھی۔ مشن دونوں کا ایک ہی تھا ''احیاء اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ'' اس بوڑھے مزاحمتی نے بڑھاپے میں بھی اپنی مزاحمت کو برقرار رکھا اور جاتے جاتے بھی اس ڈرون کو بھی آخری چھڑی مار ہی دی، ایک عرب کے دل چیر دینے والے الفاظ بھی سنتے چلیں وہ کہتا ہے کہ مسلمان 90، سال سے یہی کہتے آرہے ہیں کہ ''سلطان صلاح الدین کہاں ہے'' مگر وہ جب آیا تو ہم نے اس مجاہد کو ٹینکوں اور طیاروں کے سامنے تن تنہا چھوڑ دیا (یعنی صیہونیت زدہ بے حس مسلم عرب حکمراں نے) ہم نے صحابہؓ کی جنگیں گرچہ نہیں دیکھیں مگر ہم نے قبلۂ اول کی حفاظت پر مامور ایک بہترین مجاہد کے آخری لمحات دیکھ کر اندازہ لگالیا کہ یحیٰ سنوار کوئی عام آدمی نہیں تھا بلکہ مجاہدین کا جانشین تھا۔

شہید کا ایک مقولہ خاصی شہرت رکھتا ہے۔ ''ہم اس موت سے ڈرتے ہیں جو بستر پر آئے۔ ہم اس موت سے محبت کرتے ہیں جو میدان جنگ میں آئے''، یحییٰ سنوار نے مقولہ سچ کردکھایا، حسن اتفاق کہ جو اکتوبر میں ہی طلوع ہوا اور اکتوبر میں ہی اندھیری قید سے پھر طلوع ہوا اور اکتوبر میں ہی کہکشاں ہوگیا۔ یعنی یحییٰ سنوار عرف ''اکتوبر کا ستارہ''

احوال وکوائف

ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد میں جلسۂ مظاہرۂ قرأت

ازقلم: مولانا مفتی احمد عبیداللہ یاسر قاسمی*

جنوبی ہند کے مایۂ ناز مدارس ابتداء ہی سے قرآن مجید کی خدمات کے تئیں حساس رہے ہیں، فن تجوید کے تینوں مراتب ترتیل، تدویر اور حدر فروغ دیتے آرہے ہیں، اسی کوشش کو آگے بڑھاتے ہوئے امسال ادارہ ہذا کے بانی وناظم ترجمان اہل سنت حضرت مولانا محمد عبدالقوی صاحب مدظلہم نے شعبۂ تجوید وقرأت کا باضابطہ آغاز کرکے ادارہ ہی کے استاذ مولانا قاری عبدالباری صاحب تعلیمی زید مجدہٗ کو اس کا نگران مقرر فرمایا، یہ شعبہ اپنے مقاصد کی طرف رواں دواں ہے۔ (الحمدللہ علی ذلک)؛ لیکن اس بات کے اعتراف میں کوئی دورائے نہیں کہ اس عظیم فن کی جو مرجعیت اور مرکزیت سرزمین گجرات کے حصے میں آئی ہے وہ بے مثال ہونے کے ساتھ ساتھ دیگر علاقوں کے لیے قابل عمل اور لائق اتباع نمونہ ہے، اسی سرزمین گجرات کے خادمین قرآن کا ایک قافلہ متحرک عالم دین مولانا مفتی ابوبکر جابر قاسمی صاحب دامت برکاتہم ناظم ادارہ کہف الایمان کی دعوت پر ادارہ میں حاضر ہوا، مفتی عبدالملک انس قاسمی صاحب زیدت معالیہم نے ادارہ کا تعارف کرایا، قرآن مجید کی تلاوت اور نعت رسول مقبول علیہ الف الف تحیۃ وسلام کے بعد ملک کے مشہور ومعروف قاری مولانا عبدالعزیز فلاحی استاذ جامعہ دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر نے سورہ طٰہٰ کی مبارک آیات سے مظاہرۂ قرأت کا آغاز فرمایا، کلام الٰہی کی پرسوز تلاوت نے کچھ ایسا سماں باندھا کہ سامعین کلام اللہ بے اختیار اللہ اللہ کہنے پر مجبور ہوگئے، قاری صاحب نے ترتیل وتدویر کی تلاوت کے ساتھ اپنی بہترین آواز میں اذان بھی سنائی، گویا صدائے بلالی کی یاد تازہ ہوگئی اس کے بعد جامعہ دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر کے شیخ القراء، خادم القرآن مولانا قاری صدیق صاحب سانسروی نے خطاب فرمایا جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

بعد الحمد و الصلوۃ! قال رسول اللہ ﷺ مَنْ شَغَلَهُ الْقُرآنُ عَنْ ذِكْرِيْ وَمَسْأَلَتِي أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِيْنَ جس آدمی کو قرآن پاک کی تلاوت نے اتنا مشغول کردیا ہو کہ اُسے میرا ذکر کرنے اور مجھ سے مانگنے کی فرصت نہ ملے تو میں اسے اس سے زیادہ دوں گا جو مانگنے والوں کو دیا جاتا ہے۔
(سنن ترمذی: باب من شغله القرآن عن ذکری، ۳۱۷۶)

* خادم تدریس ادارہ اشرف العلوم حیدرآباد

(1) طالبان علوم و نبوت کا مقام

طلبہ علوم دینیہ وہ متبرک اور مقدس طبقہ ہے جو صبح و شام قرآن مجید کی برکات کے ساتھ مشغول رہنے کی وجہ سے اس حدیث کا مصداق ہے۔

(2) علم تجوید اور فن قرأت سے شہر حیدرآباد کا قدیم رشتہ

حیدرآباد وہ شہر ہے جس نے قرآن مجید کی ڈیڑھ سو سال تک مرکزی انداز میں علم تجوید و قرات کی خدمات انجام دی ہیں کچھ خصوصیات ایسی اس شہر کو حاصل ہوئی ہے جن سے دیگر شہر محروم ہے۔

پہلا واقعہ: مولانا محمد غوث اکاروی رحمہ اللہ نظام کے دور میں شہر حیدرآباد میں مقیم تھے، آج سے تقریباً ۲۸/۳۰ سال قبل انہوں نے ایک کتاب "نظر المرجان فی رسم نظم القرآن" تصنیف فرمائی، یہ ایسی مایہ ناز محقق کتاب ہے کہ آج بھی عرب و عجم میں اس فن میں اس کے ہم پلہ کوئی کتاب نہیں ہے، آج اہل عرب و عجم علم رسم میں اس کتاب کے مصنف کو حرف اخیر تسلیم کرتے ہیں، یہ کتاب شہر حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے، مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے پیٹ پر پتھر باندھ کر، فاقے کر کے یہ عظیم کارنامہ انجام دیا اور یہ شہر حیدرآباد سے پورا ہوا۔

دوسرا واقعہ: حیدرآباد کے ایک مشہور عامل سید شاہ محمد وزیر علی صاحب کے لکھنؤ کے ایک نواب صاحب بڑے معتقد تھے، انہوں نے ان کو وہاں بلایا، اور وہاں خوب دولت سے نوازا، سید شاہ محمد وزیر علی صاحب نے لکھنؤ میں ایک مکتب قائم فرمایا، جس کا نام ''مدرسہ عالیہ فرقانیہ'' رکھا آپ اپنے فرزند ارجمند مولانا عین القضاۃ کو کم عمری ہی میں مکۃ المکرمہ لے گئے، وہاں دس گیارہ سال رہ کر آپ نے بڑے بڑے رجال قرأت سے علم تجوید کی ابتداء کی اور وہاں سے آکر مدرسہ عالیہ فرقانیہ کو علم تجوید میں ایک ممتاز اور مرجع ادارہ بنایا، اس ملک کے صف اولیٰ کے قراء اسی مدرسہ کے فارغ التحصیل ہیں، مولانا عین القضاۃ رحمہ اللہ میں فن قرأت کی اشاعت کا ایسا جذبہ تھا کہ انہوں نے اس فن میں بہت کام کیا، حتیٰ کہ کہا جاتا تھا کہ اگر بہترین قاری پورے ملک میں کہیں مل سکتا ہے تو وہ مدرسہ عالیہ فرقانیہ سے ملے گا۔ یہ بھی ایک حیدرآبادی شخص کا کارنامہ ہی تھا آپ کے آباء واجداد نے آسائش چھوڑ کر اختیاری فاقے کر کے اس فن کو اس شہر میں مرکزیت عطا کی تھی، اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ اپنے اسلاف کو پڑھیں اور اس فن کو یہاں پھر سے زندہ کریں۔

قرأت دو چیزوں کا نام ہے:

(1) مشق قرأت (2) کتابیں؛ ہم نے صرف مشق کو قرأت سمجھا اور یہ سمجھتے ہیں کہ قرأت مد، غنہ، تنوین اور نون ساکن کا نام ہے حالاں کہ یہ آدھا علم ہے، یہ بھی ضروری ہے، اس سے عربی لہجوں کی حفاظت ہوتی ہے،

قرآن مجید عمدہ تلفظ اور عربی لہجے میں ہو تو وہ دلوں کی دنیا بدل کر رکھ دیتا ہے اولیاء اللہ اور تصوف وسلوک کے بزرگان دین قرب خداوندی کے لیے قرأت قرآن مجید سنا کرتے تھے ہر اللہ والے کے پاس دو تین قاری ہوا کرتے تھے۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا واقعہ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمہ اللہ کو کون نہیں جانتے، ان کا معمول تھا کہ جب کوئی قاری عمدہ لہجے اور صحیح تلفظ قرآن پڑھتا وہ فرماتے" طبیعت چاہ رہی تھی قاری کا منہ ہیرے اور جواہرات سے بھر دوں" یہ ایسا عظیم فن ہے (کتابیں) معمولی قرأت جس سے نماز درست ہو جائے وہ عوام کے لئے ٹھیک ہے لیکن علماء کرام اور ارباب بصیرت و معرفت تو ادائے جبریل اور اس کی باریکیوں کے امین ہوتے ہیں اس کے لئے کتابوں سے مراجعت ضروری ہے۔

قرآن مجید کی باریکیاں اور لطائف

ان علینا جمعه کے بعد قرآنه کی ضرورت کیوں پڑی جبکہ بات جمعه پر مکمل ہو چکی تھی۔علامہ قسطلانی ؒ نے لطائف الاشارات میں شارح بخاری علامہ برماوی کے حوالہ سے لکھا ہے یہاں پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صرف آیات کے بھول جانے کا ڈر نہیں تھا؛ بلکہ ادا کے جس کمال اور لہجے کے جس حسن کے ساتھ حضرت جبریل امین حروف قرآن کو ادا فرما رہے تھے اس کی باریکیوں اور نزاکتوں کو محفوظ نہ رکھنے کا خوف بھی تھا اور اس بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآنه کے ذریعے ذکر فرمایا۔

(۲) ایک اور لطیف نکتہ یعرف المجرمون بسیمٰهم اس آیت میں میم پر کھڑا زبر ہے اس لیے کہ مجرم جب گرفت میں آتا ہے ٹینشن کی وجہ سے اس کا چہرہ سکڑ جاتا ہے اور اس کے چہرے کے سکڑے پن کو بیان کرنے کے لیے الف کو حذف کر دیا گیا سیماهم فی وجوههم من أثر السجود میں میم کے بعد الف کا اضافہ ہے، یہ آیت اہل جنت کے اوصاف کو بیان کرنے کے لیے لائی گئی ہے اور اہل جنت کا چہرہ خوشی سے کِھلا ہوا ہوگا، ان کے چہرے کی خوشی کے اظہار کے لیے اللہ تعالیٰ نے میم کے بعد الف کو ذکر فرمایا۔(۳) واذ یرفع ابراهیم القواعد اس جگہ القواعد بنیاد کے معنی میں ہے اور بنیاد مکمل ہونی چاہیے اور بنیاد کے ساتھ چھیڑ خوانی نہیں ہوتی ہے، لہٰذا جتنے حروف ہیں سب کو لکھا گیا لیکن و القوٰعد من النساء التی میں القواعد عمر رسیدہ خواتین کے لیے استعمال کیا گیا؛ چنانچہ عمر بڑھنے کے ساتھ تروتازگی ختم ہو جاتا ہے اور چہرے کو مرجھے پن کو بیان کرنے کے لئے الف کو حذف کر دیا گیا۔

(۴)اس کے علاوہ اگر آپ غور کریں تو معلوم ہوگا **المغضوب** میں مدنہیں ہے، اور مفسرین کا کہنا ہے کہ اس سے یہود مراد ہے، یہ تعداد میں کم ہے یہاں پر ان کی تعداد کی کمی کو بتانے کے لیے مدنہیں لایا گیا، اسکے بعد **الضالین** ہے جن سے نصاریٰ مراد ہیں جو تعداد میں زیادہ ہیں ان کی تعداد کی زیادتی کو بتانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مد کا اضافہ فرمایا ہے۔ یہ وہ علوم ہیں جو کتاب ہی سے حاصل ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ اس علم کما حقہ قدردانی کی توفیق عطا فرمائے آمین

(بقیہ صفحہ ۴۸ سے)

حکومت کی طرف سے غریبوں کے لیے میڈیکل انشورنس

آج کل حکومتیں غریبوں سے معمولی رقم لے کر اُن کا میڈیکل انشورنس کراتی ہیں اور اُن کو ایک کارڈ دیتی ہیں، جس کے ذریعے متعین ڈاکٹروں کے یہاں اور متعین اسپتالوں میں علاج کرانے کے حق دار وہ ہوتے ہیں ۔اس کے بارے میں عرض ہے کہ غریب اور فقیر کے لیے تو شریعت نے بہت سی گنجائشیں رکھی ہیں؛ اس لیے اس کے جواز میں شبہ نہیں؛ جب کہ علاج فقیر کے بس سے واقعی باہر ہو۔

احوال وکوائف

حضرت مدیر محترم مدظلہ کے دینی وتبلیغی اشغال واسفار

متعدد احباب نے خواہش ظاہر کی کہ حضرت والا مدظلہ العالی کے اسفار واشغال کا جو سلسلہ اشرف الجرائد میں چلتا تھا اسے جاری رہنا چاہیے، اس لیے ماہ نومبر ۲۰۲۴ء کی مصروفیات ڈائری سے نقل کر کے پیش کی جارہی ہے ہیں، ان اسفار کے علاوہ الحمدللہ حضرت والا مدظلہ العالی کی زیر نگرانی ۱۳؍مدارس مرکز کے علاوہ اور چل رہے ہیں، مرکز میں مجموعی طور پر 2100 سے زائد طلبہ زیر تعلیم ہے۔ از مرتب

● یکم نومبر ۲۴ء بروز جمعہ ۹ تا ۱۱؍بخاری شریف کا درس ہوا جمعہ سے قبل مسجد اکبری اکبر باغ میں بہ عنوان ''نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہیں'' ایک گھنٹہ خطاب فرمایا بعد عصر حسبِ معمول اصلاحی مجلس ہوئی اور بعد مغرب احباب خاص سے ملاقات کے بعد عشاء تک سبق پڑھایا۔

● ۲؍نومبر ۲۴ء شنبہ کو صبح بذریعہ فلائٹ لکھنو روانگی ہوئی، مفتی عبدالرؤف صاحب ھمم شریکِ سفر رہے ظہر تک المعهد العالی للدراسات الاسلامیہ لکھنؤ میں قیام رہا، بعد ظہر مولانا یحییٰ نعمانی صاحب زیدہ مجدہٗ کے ساتھ کانپور کے لیے روانہ ہوئے، وہاں جاری ''ختم نبوت کانفرنس'' کی دوسری مجلس میں شرکت کی اور خطاب فرمایا۔

● ۳؍نومبر ۲۴ء کو وہیں قیام رہا، صبح ۱۰ بجے سے تیسری نشست (جو حضرت والا ہی کی صدارت میں رکھی گئی تھی) میں شرکت کی اور خطاب فرمایا، بعدہٗ ہردوئی کے لیے روانہ ہوئے، رات مدرسہ اشرف المدارس ہردوئی میں قیام رہا۔

● ۴؍نومبر بروز دوشنبہ، ۹؍بجے طلبہ سے خطاب کے بعد لکھنؤ واپس ہوئے بعد نماز عصر طلبۂ مدرسہ سے خطاب کیا پھر واپسی عمل میں آئی، رات ۱؍بجے تک حیدرآباد پہنچے۔

● ۵؍نومبر ۲۴ء بروز سہ شنبہ کو، صبح ۸؍بجے سبق پڑھا کر شہر میں موجود ایک انگریزی اسکول کی انعامی نشست میں شرکت کی اور خطاب فرمایا۔

● ۶؍نومبر ۲۴ء بروز چہار شنبہ، کو صبح ۸؍بجے سبق پڑھا کر وقار آباد کے لیے روانگی عمل میں آئی، ۴؍بجے ایک مسجد میں جمع کیے گئے قصبے کے علماء وحفاظ وائمہ سے ان کی ذمہ داریوں کے حوالے سے خصوصی خطاب ہوا، بعد نمازِ مغرب تانڈور کی قدیم آبادی میں منعقد جلسہ سے ''بچوں کی تعلیم وتربیت'' کے عنوان پر تفصیلی خطاب فرمایا۔

●۷/نومبر ۲۴ء بروز پنجشنبہ صبح ۸/بجے سبق پڑھا کر ۵۰ کلومیٹر دور قصبۂ نارائن کھیڑ میں قائم ادارے کی شاخ کے انتظامی امور سے متعلق مشورے میں شرکت فرمائی، بعدازاں گلبرگہ کے لیے روانہ ہوکر بعد نمازِ مغرب ماہانہ اصلاحی مجلس میں بیان فرمایا اور رات کو ہی حیدرآباد واپس ہوگئے۔

●۸/نومبر جمعہ کو ۹ تا ۱۲/بخاری شریف کا درس ہوا، جمعہ سے قبل مسجد اکبری، اکبر باغ میں بہ عنوان ''صفات ایمان وفلاح'' خطاب فرمایا، بعد عصر اصلاحی مجلس ہوئی اور بعد عشاء شہر کی ایک مسجد میں اصلاحی خطاب ہوا۔

●۹/نومبر بروز شنبہ سبق کے بعد ادارے کے تمام طلباء کے لیے ۱۱/بجے اصلاحی نشست ہوئی، جس میں ان کو تعلیمی واخلاقی کمال پیدا کرنے کی طرف متوجہ کیا گیا، بعدازاں ضلع میدک کے ایک مدرسۂ نسواں میں جمع مستورات سے خطاب کے لیے سفر ہوا۔

●۱۰/نومبر ۲۴ء دوسرے اتوار کو ماہانہ اصلاحی مجلس طے رہتی ہے، مختلف اضلاع سے آئے ہوئے مسترشدین کے یہ دن بھر کا نظام جاری رہا، ۱۱ تا ۱/بجے دن سالکین کے سوالات کے جواب دیے گئے، بعد عصر مجلس ذکر وبیعت منعقد ہوئی، بعد مغرب عمومی اجتماع سے خطاب فرمایا۔ (بقیہ نظام مجازینِ حضرت والا دیکھ لیتے ہیں۔)

●۱۱/نومبر ۲۴ء بروز دوشنبہ علی الصباح آندھراپردیش کے ضلع نندیال کے لیے سفر ہوا، ۱۱/تا ۱/بجے اصلاحی مجلس رہی، بعد عصر متعلقین کو انفرادی ملاقات کا موقع دیا گیا، بعد مغرب عمومی اصلاحی بیان کرکے حیدرآباد کے لیے روانہ ہوگئے۔

●۱۲/نومبر بروز سہ شنبہ صبح سبق کے بعد شہر ہی کے ایک علاقے میں جاری شاخ کے انتظامی امور کا جائزہ لے کر مغرب تک واپسی ہوئی، بعد مغرب طلبہ کو سبق پڑھایا گیا۔

●۱۳/نومبر بروز چہارشنبہ کو بعد سبق دفتری امور نمٹا کر شہر ہی میں خواتین کے ایک اجتماع کے لیے تشریف لے گئے، بعد مغرب بھی بخاری کا درس ہوا۔

●۱۴/نومبر بروز پنج شنبہ، صبح بخاری کا سبق ہوا، ۱۱/بجے دن دارالعلوم رشیدیہ کی اختتامی انجمن میں شرکت کرکے طلبہ کو نصیحت فرمائی، بعد عشاء نواحِ شہر میں واقع محلہ مولاعلی میں علماء وائمہ اور خدام دین کے ساتھ ''حالات حاضرہ میں درکار حکمت ومشورے'' کے عنوان سے خطاب ہوا۔

●۱۵/نومبر ۲۴ء جمعہ کی صبح بذریعہ فلائٹ چنائی کے لیے روانگی ہوئی، قبل جمعہ جمعہ مسجد پری میٹ میں ''کاروبار میں دیانت اور وعدہ وفائی'' کے سلسلے میں گفتگو فرمائی، بعد ظہر انہ میل وشارم کے لیے روانگی عمل میں آئی، بعد نماز مغرب شہریوں کے ایک بڑے مجمعے سے اصلاح معاشرہ کے نام پر خطاب ہوا۔

●۱۶/نومبر ۲۴ء بعد فجر شہر کے علماء وحفاظ سے ان کی ذمہ داریوں پر بات ہوئی، ناشتے کے بعد ایک خانقاہ اور

ایک مدرسے میں دعاونصیحت کی مختصر مجالس رہیں، بعدازاں آمبور کے لیے روانگی عمل میں آئی، عصر بعد دارالعلوم آمبور کے طلبہ سے بات ہوئی، مغرب بعد اجتماع عام سے اصلاح معاشرہ کے عنوان پر خطاب ہوا، رات کو قیام پرنام بٹ میں کیا گیا۔

● ۱۷ر نومبر ۲۴ء بعد فجر مسجد وصیت العلوم میں علماء وخطباء سے خطاب ہوا، ۱۱ تا ۱ر بجے لال مسجد میں اصلاحِ معاشرہ کے عوامی جلسے میں بات کر کے ویلور کے لیے روانہ ہو گئے، ویلور میں جامعہ زیتونہ میں زیر تعلیم طلبہ کا تکمیل ناظرہ وآغازِ حفظ کی تقریب میں شرکت کی، مختصر بیان ہوا، بعد عصر علوم دینیہ کے طلباء سے تحقیق وتفقہ کی ضرورت واہمیت پر مختصر بیان ہوا، نماز مغرب کے بعد شہر کی جامع مسجد میں ''فرقِ ضالہ کے خطرات اور تحفظِ ایمان کی ضرورت'' پر تفصیلی خطاب ہوا، عشائیہ کے بعد وانم باڑی کے لیے روانگی ہوئی۔

● ۱۸ر نومبر ۲۴ء کو ۶ر بجے صبح خانقاہِ قادریہ کی جدید عمارت میں ذکر اللہ کی فضیلت واہمیت پر عمومی خطاب ہوا، پھر علماء اور ائمہ شہر سے تعلق مع اللہ کی ضرورت پر بات ہوئی، ناشتے کے بعد کرشنا گری اور سیلم سے آئے علماء ودانشوران سے نظامِ مدارس کے سلسلے میں تبادلۂ خیال کیا گیا۔ ۲ر بجے قدیم مدرسہ معدن العلوم میں درجاتِ علیا کے طلبہ اور اساتذہ سے مختصر اور مدرسہ نسوان میں جمع طالبات ومستورات سے تفصیلی خطاب ہوا، بعد نمازِ مغرب مولانا حق نواز صاحب کے مدرسے میں کالج میں پڑھے ہوئے حفظ مکمل کرنے والے تین خوش نصیب طلبہ کا آخری سبق سن کر نصیحت کی گئی، بعد مغرب شہر کی جامع مسجد میں اصلاحِ معاشرہ کے ایک بڑے اجتماع سے خطاب فرما کر بنگلور کے لئے روانہ ہو گئے۔ تمل ناڈو کے تمام پروگرام بھائی حسن صاحب صدر جمعیۃ علماء تمل ناڈو کے زیر اہتمام سرانجام پائے۔

● ۱۹ر نومبر ۲۴ء بروز سہ شنبہ کو بعد نمازِ فجر مسجدِ ابرار میں مصلیوں سے خطاب فرمایا، ۱۰ر بجے مکاتب کی اہمیت پر مدرسہ مفتاح العلوم میں مختصر بات کی گئی، ۱۲ سے ۱ر بجے تک مدرسہ میں جمع مستورات سے ''حسنِ معاشرت'' پر بات فرمائی بعد عصر احبابِ خاص سے ملاقات ونصیحت رہی بعد مغرب ایرپورٹ کے لئے روانگی عمل میں آئی اور ۱۱ر بجے حیدرآباد پہنچے۔

● ۲۰ر نومبر ۲۴ء صبح سبق پڑھا کر گوداوری کھنی کے لئے روانہ ہوئے اور ظہر تک پہنچے، بعد ظہر ایک اسلامی نہج کے اسکول کا جائزہ لیا، عصر تک آرام کیا گیا بعد مغرب مردوخواتین کے اجتماع سے اصلاحِ معاشرہ کا خطاب کر کے واپس حیدرآباد تشریف لائے۔

● ۲۱ر نومبر ۲۴ء بروز چہارشنبہ دن بھر مدرسہ کی مصروفیات رہیں، بعد مغرب مفتی کلیم الدین صاحب استاذ مدرسہ دارالعلوم رحمانیہ کی لڑکی کا نکاح تھوڑی دیر بیان کر کے پڑھایا، بعدازاں ادارہ ہذا میں جمع کئے گئے شہر کے تمام مستفیدین ادارہ کی ادارہ کے مالیہ کو مستحکم کرنے اور دینی خدمات سے لازماً جڑے رہنے کی ترغیب کے لئے تفصیلی خطاب فرمایا، تقریباً شہر کے سات سو طلبہ جڑ گئے تھے۔

●۲۲ رنومبر ۲۴ء قبل جمعہ خطاب، بعد عصر مجلس اور بعد مغرب احباب خاص سے ملاقات کے بعد اپنے حفظ کے ساتھی قاری عبدالباسط فیضی کے مکان پر دعا کے لئے تشریف لے گئے۔

●۲۳ رنومبر ۲۴ء شنبہ کو درس بخاری کے بعد ۱۱ ربجے طلبہ سے تربیتی خطاب، بعد مغرب مجلس تحفظ ختم نبوت کے تحت منعقد تربیتی اجلاس سے مسجد آمنہ ٹولی چوکی میں ''تحفظِ ایمان وعقائد'' پر تفصیلی بیان ہوا۔

●۲۴ رنومبر ۲۴ء بروز یکشنبہ کو بعد درس وجے واڑہ کے لئے روانگی، قبل ظہر اصلاحی بیان ہوا، وہاں سے کھمم پہنچ کر بعد مغرب ماہانہ اصلاحی مجلس سے خطاب کر کے حیدرآباد واپس ہو گئے۔

●۲۵ رنومبر ۲۴ء بروز دوشنبہ کو درس کے بعد دفتری امور کی مصروفیت رہی، بعد عصر شادنگر کے لئے روانہ ہوئے، بعد مغرب مولانا طاہر صاحب کی مسجد میں اصلاحی نشست سے خطاب کے بعد کرنول میں رات کا قیام ہوا۔

●۲۶ رنومبر ۲۴ء بروز سہ شنبہ کو علی الصباح وہیں سے کڑپا کا سفر دو گھنٹے میں تکمیل پایا، کڑپا میں مفتی رحیم اللہ صاحب نے جمعیۃ علماء کے تحت ۱۱ ربجے جمعیۃ کی تنظیم وتقویت کے عنوان پر، ۳ ربجے علماء وائمہ کے لئے اکابر دیوبند کا تقویٰ کے عنوان پر اور بعد مغرب محکمۂ شرعیہ کی ضرورت پر حضرت والا مدظلہ العالی سے بیانات کروائے گئے، بعد عشاء وہاں سے چل کر کرنول میں قیام فرمایا۔

●۲۷ رنومبر ۲۴ء بروز چہارشنبہ علی الصباح وہاں سے نکل کر مدرسہ حیدرآباد پہنچ گئے اور سیدھے دارالحدیث پہنچ کر سبق پڑھایا، بعد ازاں ادارے کی شام امدادالعلوم نارائن کھیڑ میں منعقد مشورہ میں شرکت کی، وہاں سے واپس ہو کر بعد نمازِ عشاء سبق پڑھایا۔

●۲۸ رنومبر ۲۴ء بروز پنج شنبہ کو درس کے بعد مدرسہ سبیل الفلاح کے اساتذہ سے تعلیم وتربیت کا جائزہ لے کر ضروری ہدایات دیں، بعد نمازِ مغرب اپنے برادرِ کبیر ومحترم حضرت مفتی محمد عبدالمغنی صاحبؒ کی نواسی کے عقد میں شرکت کی مختصر بیان کر کے نکاح پڑھایا۔

●۲۹ رنومبر ۲۴ء بروز جمعہ کو ۹ تا ۱۱ ربجے دورے کے طلبہ کو سبق پڑھایا، قبل جمعہ مسجدِ اکبری، اکبر باغ میں بہ عنوان ''تحفظِ شریعت'' بیان کیا، بعد عصر مجلس اصلاحی ہوئی، بعد عشاء حالاتِ حاضرہ پر غور وخوض کے لئے فیض گاہِ جمالی میں بلائے گئے اجلاس میں شرکت فرمائی۔

●۳۰ رنومبر ۲۴ء بروز شنبہ کو درس کے بعد طلبۂ ادارہ سے تربیتی خطاب، بعد عصر ایک شاگرد کی دکان میں افتتاحی دعا کی، بعد نمازِ عشاء اپنے بھانجے کے ولیمے میں شرکت فرمائی۔

اللہ تعالیٰ حضرت والا کو صحت وعافیت نصیب فرمائے، سایہ عاطفت امت پر دراز فرمائے اور جملہ خدماتِ دینیہ کو شرفِ قبول عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین

فقہ وفتاویٰ

میڈیکل انشورنس کی شرعی حیثیت

از: مولانا اشتیاق احمد صاحب قاسمی*

’’میڈیکل انشورنس‘‘ کا ترجمہ ہے: طبی یقین دہانی، انشورنس کو ہندی میں ’’بیمہ‘‘ بھی کہتے ہیں تو ترجمہ ہوگا ’’طبی بیمہ‘‘۔ عام آدمی اور انشورنس کمپنی کے درمیان نامعلوم نقصان کے واقع ہونے پر ایک مقررہ رقم ادا کرنے کی وجہ سے نقصان کی تلافی کا معاہدہ ہوتا ہے، مقررہ رقم یک مشت یا قسطوں پر ادا کی جاتی ہے اس کو پریمیم کہتے ہیں۔ (اردو دائرۂ معارف اسلامیہ ۴/ ۵۶ ۴ لاہور)

سمندری سفر میں تجار آپس میں اس عنوان سے رقم جمع کرتے تھے کہ اگر کسی کو کوئی حادثہ پیش آجائے تو اس میں سے اس کے نقصان کی تلافی کی جائے گی، اس کی تاریخ ۱۵۴۷ء بتائی جاتی ہے۔ زندگی، املاک، اعضاء، قیمتی دستاویز، اسناد اور ذمہ داریوں کا انشورنس ہوتا ہے، یہاں طبی انشورنس سے متعلق گفتگو ہے۔

آج کل ایک طرف بیماریوں کی کثرت ہے دوسری طرف علاج مہنگے ہو رہے ہیں، ہر آدمی کے لیے اخراجات کا تحمل ناقابل برداشت ہے۔ خصوصاً اعضائے رئیسہ کی بیماری اور کینسر وغیرہ میں اخراجات کا تحمل ناقابل بیان حد تک ہوتا ہے؛ اس لیے میڈیکل انشورنس کا رواج ہو رہا ہے؛ مگر دنیا میں ’’سرمایہ دارانہ نظام‘‘ کا راج ہے، اقتصاد کی ہر صورت پر سود کی نوعیت کا بول بالا ہے، سوچنے والے سودی نقطۂ نظر سے ہی سوچتے ہیں۔ سودی شکلیں ہی سامنے آتی ہیں؛ چاہے اس میں بہ ظاہر تعاون کا پہلو بھی ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انشورنس کی شکلوں میں شاید و باید ہی کوئی شکل ایسی ہوتی ہے، جس پر سود یا جوئے کا یا ان دونوں کا اطلاق نہ ہوتا ہو؛ میڈیکل انشورنس میں بھی یہی علت موجود ہے؛ اس لیے عام حالات میں میڈیکل انشورنس ناجائز ہے؛ اس لیے کہ اگر محدود مدت کے اندر بیماری پیش آئے تو سود کے ساتھ رقم ملتی ہے اور بیماری پیش نہ آئے تو جمع رقم واپس نہیں کی جاتی اور اس طرح اس پر قمار کی تعریف صادق آتی ہے۔

میڈیکل انشورنس کا حل یہ نہیں ہے کہ رائج صورتوں میں حلال کی نشاندہی کی جائے، یا حیلوں کے ذریعے حرام کو اپنایا جائے؛ بلکہ اہل علم، زعمائے ملت اور اہلِ خیر حضرات کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہیے اور اس کی متبادل شکل تلاشنی چاہیے، ملی تنظیموں کے ذریعہ اس کا متبادل تیار کرنا مشکل نہیں، جنوبی ہند میں بعض غیر مسلم پیشواؤں نے

* استاذ دارالعلوم دیوبند

مفت طبی ادارے قائم کر رکھے ہیں اور وہ بلا فرق مذاہب ہر ایک کا علاج مفت کرتے ہیں ؛ جب کہ اُن کے مذہب میں آخرت کا تصور بالکل دھندلا اور سراب کی مانند ہے، پھر بھی وہ اپنے مذہب کے اہلِ ثروت سے تعاون حاصل کر کے بڑے اخراجات والے ادارے چلاتے ہیں، مسلمانوں کے یہاں آخرت کا تصور ہے، ان میں خرچ کرنے کا جذبہ ہے اور مجبور ولا چار کی امداد کرنے کا قابلِ فخر حوصلہ ہے؛ اس لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کا کوئی ایسا ادارہ ہو جو ضرورت مندوں کو بالکل مفت ان امراض کا علاج فراہم کرے اور مسلمانوں کو ہلاکت سے بچانے کا انتظام کرے۔ آخر مذہبی ضرورت کی تکمیل کے لیے دینی مدارس بالکل مفت تعلیم فراہم کر رہے ہیں یا نہیں؟ ملی تنظیمیں ملت کے لیے کثیر رقم خرچ کر کے اُن کے مفاد کے کام کر رہی ہیں یا نہیں؟ اگر سوچا جائے تو انشورنس کا متبادل سامنے آسکتا ہے۔ کام مشکل ضرور ہے؛ مگر ناممکن نہیں۔

حکومت سے درخواست

اگر ممکن ہو تو حکومتِ ہند سے یہ درخواست کرنے کے سلسلے میں بھی سوچا جائے کہ پریمیم کی رقم لیے بغیر حکومت عوام کا تعاون کرے، اس صورت میں اگر تعاون کی مقدار کم ہو تب بھی کوئی حرج نہیں، حلال کے دائرے میں بات رہے گی۔

باہمی تعاون کی شکل

ایسا بھی ممکن ہے کہ نام زد مسلمانان اکٹھے ہوں اور طبی تعاون کے عنوان سے رقم اکٹھا کریں اور یہ طے ہو کہ جتنے لوگ جمع کر رہے ہیں اُن کا علاج اسی جمع شدہ رقم سے کی جائے گی، چاہے رقم جتنی بھی خرچ ہو۔

میڈیکل انشورنس کی شرعی حیثیت

میڈیکل انشورنس میں چوں کہ سود اور جوا دونوں ہیں؛ اس لیے عام حالات میں اس سے استفادہ ناجائز ہے، اس میں جمع شدہ قسطوں سے زیادہ سے بھی انتفاع ہوتا ہے جو سود ہے اور مقررہ مدت میں بیمار نہ ہونے کی صورت میں رقم واپس نہیں ملتی؛ اس لیے جوا ہے اس میں تملیک علی الخطر کا پہلو غالب ہے۔ تعاون کا پہلو غیر سرکاری کمپنیوں میں بالکل نہیں ہے اور سرکاری میں کچھ ہے؛ مگر ابتدائی طور پر جمع شدہ پریمیم کی وجہ سے وہ بھی سود کے دائرے میں آتا ہے؛ اس لیے ناجائز تعاون ہے۔

قانونی مجبوری میں میڈیکل انشورنس

اگر قانونی مجبوری کی وجہ سے میڈیکل انشورنس کرانا پڑ رہا ہو تو اس کی گنجائش ہے؛ مگر بہ قدر مجبوری ہی۔

الاشباہ والنظائر میں قاعدہ ہے: مَا أُبِيحَ لِلضَّرورةِ يَتَقَدَّرُ بِقَدْرِهَا۔ یعنی: جو چیز مجبوری کی وجہ سے جواز کے دائرے میں لائی جاتی ہے وہ اسی مجبوری کی حد میں محدود مانی جاتی ہے۔

اور اگر شرط پائے جانے کی صورت میں انتفاع کی نوبت آئے تو وہ شخص جو مجبور ہے، اس کے لیے جمع شدہ رقم سے زیادہ سے فائدہ حاصل کرنا جائز ہے اور جو لوگ صاحبِ استطاعت ہیں اُن کے لیے جمع شدہ رقم سے زیادہ فائدہ حاصل کرنا جائز نہیں (فتاویٰ عثمانی ۳/ ۳۱۴) اور اگر استفادہ کرلیا تو اتنی رقم کا صدقہ کرنا بلانیتِ ثواب ضروری ہوگا۔

انشورنس کمپنی علاج کا خرچہ ہسپتال کو دے یا بیمار کو

بعض مرتبہ بیماری پیش آنے پر علاج کا خرچہ ''میڈیکل انشورنس کمپنی'' بہ راہِ راست متعینہ ہسپتال کو دیتی ہے، انشورنس کرانے والے مریض کے ہاتھ میں نہیں دیتی، یہ صورت بھی جائز نہیں؛ اس لیے کہ ہسپتال کا قبضہ کرنا مریض کے قبضہ کرنے کے حکم میں ہے، گویا ہسپتال مریض کا وکیل ہے اور وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ کہلاتا ہے۔

اور اگر بہ راہِ راست مریض کو دیتی ہے تب بھی ناجائز ہے، یعنی اگر مریض صاحبِ استطاعت ہے تو اس اضافی رقم کو لینا جائز نہیں، صرف اتنی رقم لے سکتا ہے جو اس نے جمع کی ہے۔

اگر ملازم پر انشورنس کرانا لازم ہو

بعض ممالک میں ملازم کے لیے میڈیکل انشورنس لازم ہے؛ مگر پریمیم کی رقم کبھی تو ملازم کی تنخواہ سے کٹتی ہے اور کبھی کمپنیاں اپنی طرف سے پریمیم جمع کرتی ہیں تو دونوں صورتوں کا حکم الگ ہوگا۔ یعنی اگر ملازم کی تنخواہ سے اس کی مرضی کے مطابق کٹتی ہے تو اس پر سود کی تعریف صادق آئے گی اور انتفاع ناجائز ہوگا اور کمپنی کے ادا کرنے کی صورت میں اس پر سود کی تعریف صادق نہیں آئے گی؛ اس لیے ملازم کے لیے استفادہ جائز ہوگا۔

ہسپتالوں کا میڈیکل پیکیج

آج کل بعض ہسپتالوں کی طرف سے متعینہ مدت کے لیے میڈیکل پیکیج جاری کیے جاتے ہیں اور اس پیکیج کو قبول کرنے والے لوگ متعینہ رقم ادا کرتے ہیں، کبھی قسط وار کبھی یک مشت، اگر آدمی بیمار ہوا تو اس کے جملہ طبی اخراجات ہسپتال برداشت کرتا ہے اور اگر بیمار نہیں ہوا تو وہ رقم ڈوب جاتی ہے، واپس نہیں ملتی۔ مذکورہ بالا صورت بھی سود اور جوے کی ہے؛ اس لیے ناجائز ہے۔

(بقیہ صفحہ ۱۴ پر)

فقہ وفتاویٰ

آپ کے شرعی مسائل

از: مولانا مفتی محمد ندیم الدین قاسمی*

غیر مسلم کو قرآن دینا

سوال: کسی غیر مسلم کو قرآن کریم پڑھنے کے لئے دینا کیسا ہے؟

جواب: اگر اطمینان ہو کہ وہ قرآن مجید کی بے حرمتی نہیں کرے گا تو دینے میں کوئی حرج نہیں، اس سے کہا جائے کہ غسل کر کے تلاوت کیا کرے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل، ۱/ ۷۵)

کیا روحیں جمعرات کو آتی ہیں؟

سوال: عوام میں مشہور ہے کہ ہر جمعرات کو ہر گھر کے دروازے پر روحیں آتی ہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ اور کیا جمعرات کو شام میں مرحومین کے لیے دعا کی جاسکتی ہے؟

جواب: جمعرات کو روحوں کا آنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں، نہ اس کا کوئی شرعی ثبوت ہے، باقی دعا، استغفار اور ایصال ثواب ہر وقت ہوسکتا ہے، اس میں جمعرات کی شام کی تخصیص بے معنیٰ ہے۔

(آپ کے مسائل اوران کا حل، ۱/ ۳۷۵)

نقصان ہونے پر کہنا کہ کوئی منحوس، صبح ملا ہوگا

سوال: جب کسی شخص کو کسی کام میں نقصان ہوتا ہے یا کسی مقصد میں ناکامی ہوتی ہے تو وہ یہ جملہ کہتا ہے کہ: ”آج صبح سویرے نہ جانے کس منحوس کی شکل دیکھی تھی“ جب کہ انسان صبح سویرے سب سے پہلے اپنے ہی گھر کے کسی فرد کی شکل دیکھتا ہے، تو کیا گھر کا کوئی فرد اس قدر منحوس ہوسکتا ہے؟

جواب: اسلام میں نحوست کا تصور نہیں، یہ محض توہم پرستی ہے۔ (آپ کے مسائل اوران کا حل، ۱/ ۴۵۶)

نماز کے دوران آنکھیں بند کرنا

سوال: نماز میں ذہنی یکسوئی کے لئے آنکھیں بند کرنا جائز ہے؟

* استاذ شعبہ عالمیت ادارہ ہذا

جواب: آنکھیں بند کرنے سے اگر چہ ذہنی یکسوئی حاصل ہوتی ہے؛ لیکن افضل یہی ہے کہ آنکھیں بند نہ کی جائیں۔(آپ کے مسائل اور ان کا حل، ۱/ ۳۸۰)

ناخن پالش

سوال: اگر ناخنوں پر ناخن پالش لگی ہوئی ہو تو کیا وضو کرتے وقت اس کو دھونا ضروری ہے؟

جواب: اعضائے وضو پر واقعی کسی ضرورت کے بغیر ایسی چیز لگالینا جو پانی کو جسم تک پہنچنے نہ دے، وضو کے درست ہونے میں رکاوٹ ہے، وضو اسی وقت صحیح ہوگا جب اسے کھرچ دیا جائے، اسی لئے ناخن پالش کو جب تک نہ کھرچ لیا جائے وضو درست نہیں ہوگا۔(مستفاد از: جدید فقہی مسائل، ۱/ ۶۱)

نماز میں گھڑی دیکھنا

سوال: کیا نماز میں گھڑی دیکھنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے؟

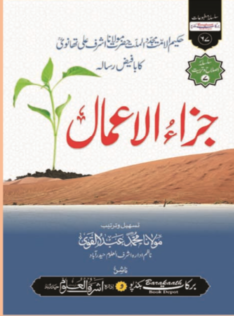
جواب: نماز دراصل اللہ تعالیٰ سے ہم کلامی اور مخاطبت کا وقت ہے، اس لیے نماز جیسی عبادت کا تو تقاضہ یہ ہے کہ اس وقت آدمی اپنے آپ کو کلیۃ خدا کی طرف یکسو کرلے؛ لیکن اگر کوئی شخص گھڑی وغیرہ دیکھ لے اور سمجھ بھی لے؛ لیکن زبان سے اس کا تلفظ نہ کرے تو نماز فاسد نہ ہوگی۔(مستفاد از: جدید فقہی مسائل، ۱/ ۹۴)

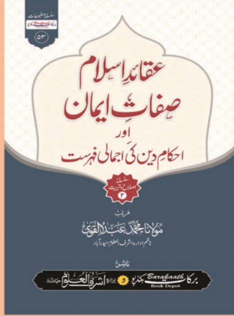
آیاتِ قرآنی کے طغروں کا گھروں میں استعمال

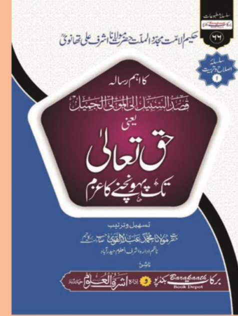
سوال: آیاتِ قرآنی کے طغرے گھروں یا مسجدوں میں آیاتِ قرآنیہ کے طغرے استعمال کرنا جائز ہے؟

جواب: گھروں یا مسجدوں میں آیاتِ قرآنیہ کے طغرے استعمال کرنا مناسب نہیں ہے، ایک تو اس کا اندیشہ ہے کہ کبھی یہ تحریر رفتہ رفتہ زمین پر گرکر پاؤں میں آجائے، اس کے علاوہ لوگوں کی بے اعتنائی کی وجہ سے قرآن کی بے حرمتی بھی ہوتی ہے، نیز نماز کے دوران عموماً نظر ادھر چلی جاتی ہے، اور آدمی دل ہی دل میں اسے پڑھنے لگتا ہے، اس طرح خشوع وخضوع کی کیفیت متاثر ہوتی ہے، البتہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم نے فرمایا کہ قرآنی آیات واحادیث کے تختے اور کیلنڈر وغیرہ مستثنیٰ ہیں جو دعوت وتبلیغ اور اشاعت دین کے نقطۂ نظر سے لکھے جاتے ہیں۔(مستفاد از: جدید فقہی مسائل، ۱/ ۱۰۱)

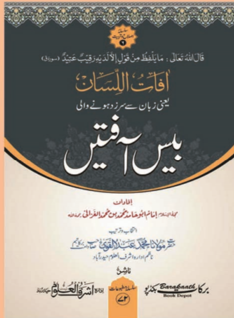
ASHRAFUL JARAID MONTHLY Rs20/-
RNI No: APURD/2007/24089 Postal. No: HSE/884/23-25
Date of Publication 3rd Dec-24, Date of Posting 5th Dec-24

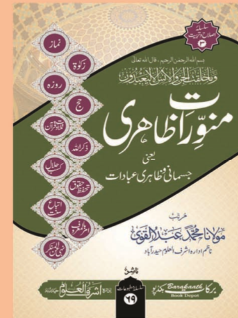


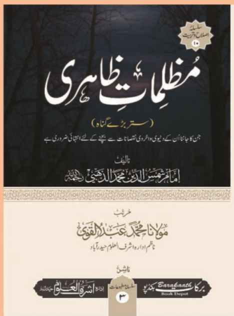


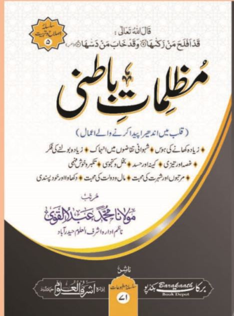


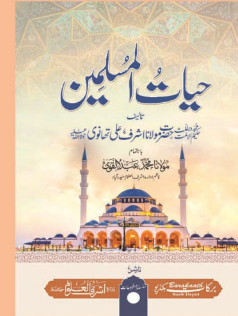












Printer, Publisher & Owner: Mohd Abdul Qavi, # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Published from: # 17-1-391/2, Khaja Bagh, Sayeedabad Colony, Hyderabad- 500059
Editor : Mohammed Abdul Qavi. Printed at: Aish Offset Printers, Cellar Masjid-e-Meraj, Sayeedabad, Hyd-59